یٰاَیُّہَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ ۚ وَ اللّٰہُ ہُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿القرآن الحکیم﴾

اشاعت نمبر ۱۹

سلسلۂ تراجم نمبر ۱۳

اِسلامی تصوّف

اُردو ترجمہ

طریقُ الھجرتین و بابُ السّعادتین حصۂ اوّل

تالیف

شیخ الاسلام حافظ ابن قیم الجوزی رضی اللہ عنہ

مترجمۂ

مولانا عبدالرحیم صاحب ناظمِ مکتبۂ علوم مشرقیہ دار العلوم پشاور

جس میں

تصوفِ اسلام، فقرِ مسنون، طریقت اور حقیقت کے اصول و قواعد بیان کر کے بتلایا ہے کہ شاہراہِ شریعت کی رُو سے فقر اور عبودیّت ہی سعادت کا حقیقی دروازہ اور سالک باللہ کا مقصود و مطلوب ہے

پبلشر

الھلال بُک ایجنسی شیرانوالہ دروازہ لاہور

اوّل

تعداد ایکہزار

قیمت ۸عہ

2641ft
2495ft
2129ft
DISSECTED TERRAIN
31
34
2093ft
Dissected terrain
2628ft
2326ft
33km
2622ft
36
29
Farm
3192ft
2185ft
Dissected
Lava
Lava
Lava
850m

OSTAN E BALUCHESTAN VA SISTAN
OSTAN E KERMAN
27
Aliabad
1765ft
29
2192ft
59°30'
28°
2215ft
12km
8km
2330ft
17km

مطبوعاتِ الھلال بُک ایجنسی لاہور

5 3146

(۱) اُسوۂ حسنہ ترجمۂ ہدی الرسول اختصار زاد المعاد فی ھدی خیر العباد صلعم تصنیف حافظ
اسوۂ حسنہ کا ترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے نہایت سلیس اور عام فہم اُردو میں کیا ہے۔ اُسوۂ حسنہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری پر ایک نہایت جامع اور بے نظیر کتاب ہو۔ اسکا پہلا ایڈیشن
ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا۔ دوسرے ایڈیشن میں مترجم نے بعض حواشی وغیرہ کا اضافہ کیا ہو۔ ترتیب
فصول بدل دی ہے جس سے کتاب زیادہ مربوط ہوگئی ہے۔ حجم بڑھ گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد

(۲) اصحابِ صفہ (تصنیف امام ابن تیمیہؒ) مترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی۔ اس رسالہ میں نہایت
صحیح اور مستند روایات سے ثابت کیا گیا ہے کہ اصحابِ صفہ تعداد میں کتنے تھے؟ انکی وجہ معاش کیا تھی
اور یہ جو جہلا میں مشہور ہے کہ وہ تمام صحابہ سے افضل تھے، دف وغیرہ آلاتِ موسیقی یا قوالی کی آواز پر
رقص کرتے تھے، تالیاں بجاتے اور ناچا کرتے تھے یا انہوں نے مشرکین کے ساتھ ہو کر مومنین کے خلاف جنگ کی تھی
تو ان روایات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز اولیاء اللہ، قطب، ابدال، قلندر، نذر، منت، رقص، سرود وغیرہ
اہم مباحث کی نسبت نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ طبع ثانی میں بعض اضافے کئے گئے ہیں قیمت

(۳) العروۃ الوثقیٰ (از امام ابن تیمیہؒ) خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ و وسیلہ کی ضرورت۔ کتاب سنت
سے واسطہ کی حقیقت اور مطلوب۔ مفہوم کی تشریح، خالق و مخلوق اور بادشاہ و رعایا کے مابین واسطہ کا فرق
فضیلتِ شفاعت، اسلوبِ عام اسلام کی خالص توحید، کتاب و سنت کی شرک سوز تصریحات اور مسلمانوں کے
عقاید و اعمال میں غیر اسلامی عناصر کی جو افسوسناک آمیزش ہوگئی ہے ان کے معلوم کرنے کیلئے اس جنیفہ
رسالہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی ضرورت ہو۔ قیمت - - - - - - ۶

(۴) تفسیر سورۃ الکوثر (مصنفہ امام ابن تیمیہؒ) مترجمہ مولانا عبدالرزاق۔ سبحان اللہ! سورہ کوثر اور
کی تفسیر کیا ہی خوب ہے، شیدایانِ علوم کتاب و سنت کے لئے خود کوثر و سلسبیل کا حکم رکھتی ہو۔ شیخ الاسلام
نے چند سطروں میں ایک دفترِ معانی سمیٹ کر رکھ دیا ہے، کوزہ میں دریا نظر آتا ہے۔ اسکے مطالعہ سے
نئے نئے نکات و معانی نکلتے ہیں۔ نہایت عجیب چیز ہے۔ قیمت - - - - - ۴

(۵) ائمۂ اسلام (مصنفہ امام ابن تیمیہؒ) مجتہدین کرام کے اجتہاد پر مفصل بحث۔ قیمت ۱۲

(۶) خلاف الامۃ (از امام ابن تیمیہؒ) امتِ محمدی کے اختلاف کے متعلق تنقیدی بحث۔ قیمت ۵

(۷) کتاب الوسیلہ مصنفہ امام ابن تیمیہؒ مترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی۔ کتاب الوسیلہ محض لفظ وسیلہ
ہی کی بحث نہیں بلکہ اسلام کے اصل الاصول "توحید" پر نہایت جامع اور مستند کتاب ہو۔ اسمیں توحید کی
پُر جوش دعوت ہو، شرک کے سر پر مہلک ضرب ہے، بدعت و جمود کے گلے پر چھری ہے۔ یہ ہیرا جس کانچ پر رکھا
جائیگا، ریزہ ریزہ کر دیگا۔ شفاعتِ حقہ اور شفاعتِ باطلہ، قبر پرستی، قبر پرستی کے متعلق جھوٹی روایات و حکایات
وغیرہ، افعال کی نسبت ائمہ اربعہ کے مسلک و مذاہب اور انکے اقوال، ندائے غیر اللہ اور اسی قسم کے دیگر اہم
مضامین پر ایسی تفصیلی بحث ہو کہ ہر پہلو پر مفصل و مدلل روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت عہ مجلد

(۸) تفسیرِ آیتِ کریمہ (مصنفہ امام ابن تیمیہؒ) مترجمہ مولانا عبدالرحیم پشاوری۔ آیہ "لا الٰہ الا انت
سبحانک انی کنت من الظالمین" کی نہایت جامع تفسیر ہے۔ قیمت - - - - - ۱۲

الھلال بک ایجنسی شیرانوالہ دروازہ لاہور سے طلب کریں

فہرست مضامین کتاب اسلامی تصوف مترجم حصہ اوّل

اختتام حصۂ اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ از مصنف

فصل

رضائے الٰہی کا ذریعہ

معرفت الٰہی کا درخت

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اما بعد:

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت، معرفت اور توحید کا درخت اُن لوگوں کے دلوں میں لگایا ہے جن کو اُس نے بارگاہِ نبوت کے لئے انتخاب فرمایا، اپنی نعمت سے سرفراز کیا اور اپنی تمام مخلوق پر اُن کو شرف بخشا ہے۔ اُس درخت کی مثال ایک ایسے پاکیزہ درخت کی ہے جس کی جڑیں مضبوطی کے ساتھ زمین میں گڑی ہوں، اُس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ ہر وقت اپنے لذیذ میووں سے اپنے مالک کو محظوظ کرتا ہو۔

ایمان کا درخت

ایمان کے درخت کی بعینہٖ یہی مثال ہے: اس کی جڑیں قلب میں راسخ ہو چکی ہیں اور پاکیزہ کلمات اور اعمالِ صالحہ اسکی شاخیں ہیں جو (مقبول ہو کر) آسمان تک پہنچتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان شاخوں سے ہر وقت ایسے میوے یعنی پاکیزہ کلمات اور اعمالِ صالحہ چُنے جاتے ہیں جن سے اُس کے مالک، اُس کے تمام گھر والوں، اسکے دوست و احباب، یہاں تک کہ اُسکے محافظوں کو آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ جس شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی معرفت خنکیٔ چشم کا حکم رکھتی ہے

اس سے ہر ایک کو خنکیٔ چشم حاصل ہوتی ہے، ہر ایک وحشت زدہ اس کے ساتھ مانوس ہوتا ہے، ہر ایک چیز جو پلید ہو اس کے ساتھ مس ہونے پر پاکیزہ کا حکم پیدا کر لیتی ہے، ہر ایک غمگین کیلئے اس کا دیدار خوشی کا موجب ہوتا ہے، ہر ایک خوف زدہ کو اس کے ساتھ مل کر امن حاصل ہوتا ہے، اور ہر ایک غائب کو شہود کا درجہ حاصل ہوتا اور اس کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔ اُس کا دل (تمام دوسری چیزوں سے ہٹ کر) اللہ تعالیٰ کے ساتھ مطمئن ہوتا ہے، اُسکی محبت خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتی ہے اور اُسکی بیم و اُمید اُسی کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور اسی طرح اُسکا سننا دیکھنا اور چلنا پھرنا یادِ الٰہی میں گزرتا ہے۔

مومن کا نصب العین

الغرض، مومن کے تمام حرکات و سکنات صرف اللہ تعالیٰ (اور اُسکی خوشنودی) کیلئے ہوتے ہیں، اُسکا حُبّ اور بغض اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہوتا ہے، اُسکا دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی یا عدم خوشنودی کے خیال پر مبنی ہوتا ہے، اُسکا معبود، اُس کی بیم و اُمید کا مرکز، اُس کا نصب العین اور اس کا واحد مطلوب صرف وہی رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کو وہ اپنا واحد رہنما اور پیشوا سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی (مخلصانہ) عبادت اور محبّت اور اُسی کے ساتھ اپنے خوف و رجا کو وابستہ رکھنے میں وہ خالص موحّد ہوتا ہے اور اُس کے رسول کی متابعت، دل و جان سے اُس کی پس روی اور اخلاق و آداب میں اُس کے نقش قدم پر چلنے میں کسی دوسرے کو اُسکا درجہ نہیں دیتا۔

فصل ۲

ہجرت کی دو قسمیں

مومن ہمیشہ دو قسم کی ہجرتوں میں مشغول رہتا ہے:۔

(۱) ہجرت الی اللہ

پہلی ہجرت اُس کی الی اللہ کی طرف ہوتی ہے جس کو وسائل و ذرائع یہ ہیں:
اُسی کی طلب، عبادت اور محبت میں سرشار رہنا، اُسی پر بھروسا رکھنا اور توکل کرنا، اپنے تمام اُمور کو اُس کی طرف تفویض کر دینا، اُس کے ہر ایک حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا، ہر ایک حالت میں اُسی کی طرف رجوع کرنا، اُسی کے ساتھ اپنے خوف و رجاء کو وابستہ رکھنا، اپنی تمامتر توجہ کو اُس پر مبذول کئے رہنا، سچے دل سے اُسکی پناہ ڈھونڈنا، اور اپنے آپ کو محتاج بلکہ سراپا احتیاج سمجھ کر ہر ایک لمحہ اور لحظہ میں اُسکی رحمت اور فضل کا نگراں رہنا۔

(۲) ہجرت الی الرسول ؐ

مومن کی دوسری ہجرت اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی طرف ہے جسکا ملخص یہ ہے کہ: اپنے ظاہر اور باطن کے تمام حرکات و سکنات کو شریعت کے سانچے میں ڈھال دے، کیونکہ جو شریعت آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اُس میں اُن تمام باتوں کی تفصیل موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کی موافقت کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں فرماتا، بلکہ ہر ایک ایسا عمل جو اُس کی تعلیم سے سرِ مو بھی مخالفت رکھتا ہو، ہوائے نفس کا نتیجہ خیال کیا جاتا ہے اور

آخرت میں وہ کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔

ارشادِ جنید بغدادیؒ

شیخ الطریقۃ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی طرف تمام راستے بند ہیں، صرف ایک ہی راستہ کھلا ہے اور وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا راستہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے اپنی جلال اور کبریائی کی قسم! جس راستے سے وہ آئیں اور جس دروازے کو بھی کھٹکھٹائیں، جب تک وہ تیرے پیچھے چلنا اختیار نہیں کریں گے وہ کسی دروازے کو کھلا ہوا نہیں پائیں گے!"

ایک عارف کا قول ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو چھوڑ کر جو عمل بھی کیا جائے وہ درحقیقت نفس کی خواہش کو پورا کرنا ہے"۔

سعادت کا ذریعہ

چونکہ سعادت کا تمام تر انحصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آوردہ شریعت کے اتباع پر ہے اس لئے جو شخص اپنے نفس کی نیکخواہی کرتا ہے، وہ اپنی عمر کو اُسی کا علم حاصل کرنے پر وقف کر دے اور اپنے ارادوں کا نصب العین انہی باتوں کا عمل میں لانا ٹھیرائے جو اللہ تعالیٰ ہی کے نزدیک محبوب ہیں۔ یہ ایک اُولو العزمانہ عالی ہمتی ہے جس کے حصول کیلئے کمرِ ہمت باندھنا سابقین کا کام ہے

وجہ تسمیۂ کتاب

اور اسی لئے ہم (ابن القیمؒ) نے اس کتاب میں ہجرتِ محمدیہ کے راستہ پر چلنے کے اصول بیان کرکے اِس کا نام طریق الهجرتین رکھا، جس کا پہلا باب فقر اور عبودیت کے مضمون پر مشتمل ہے، کیونکہ یہی فقر اور عبودیت ہی سعادت کا دروازہ اور اُس تک پہنچنے کا راستہ ہے جس کو چھوڑ کر کسی دوسرے دروازہ سے اس میں داخل نہیں

ہو سکتے۔ اور اس کتاب کا خاتمہ ایک ایسے باب پر کیا ہے جس میں جن اور انس کی سعادت اور شقاوتِ اُخروی کے مختلف مراتب کی تفصیل کی ہے۔ چنانچہ یہ کتاب اپنے موضوع پر بےنظیر تصنیف ہے، اور ہر ایک قوم اپنے مذاق کے موافق اس سے استفادہ کر سکتی ہے۔ جو کچھ اس کتاب میں حق اور صواب لکھا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اُسی کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس کی غلطیاں میری (ابن القیمؒ) اپنی کوتاہی اور شیطان کی شرارت سے منسوب سمجھی جائیں اور اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسولؐ کو اُن سے بری خیال کیا جائے۔

ناظرین! اِس کتاب کے مصنّف نے اپنی بیمائگی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی عقل اور فہم کے نتائج تمہاری خدمت میں پیش کئے ہیں، جس کا فائدہ تمہارے لئے اور اُسکا وبال خود مصنّف کی گردن پر ہے۔ اِس کا میوہ تُم کھاؤ اور اس کا چھلکا اور گٹھلی مصنّف کی طرف پھینکو۔ اگر وہ اپنی اِس تصنیف سے تم کو ممنون بنانے سے قاصر بھی رہا تو یقین ہے کہ کم از کم اُسکو معذور تصوّر کرنے سے تو آپ اعراض نہیں فرمائینگے۔ لیکن اگر تم خواہ مخواہ ملامت پر تُلے ہوئے ہو تو بسم اللہ یہ بھی منظور ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ اِس کوشش کو خالص اپنی رضامندی کیلئے مخصوص فرمائے اور اس کے مؤلف (ناشر و مترجم) کو اِس کتاب کے پڑھنے والوں کو دُنیا اور آخرت میں اِس کے فوائد سے بہرہ ور فرمائے۔ بیشک وہ دعاؤں کو سُننے والا اور ہماری اُمیدوں کا مرکز ہے وھو حسبی و نعم الوکیل!

باب (۱)

فقر اور عبودیت

فصل

بندہ اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف

اوصافِ ذاتی اور موجبات

قال اللہ عزّ وجلّ :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ - (۳۵ : ۱۵)	لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ ہی تو ہو جو تم سب سے بے نیاز اور ہر ایک طرح کی تعریف کا مستحق ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس بات کی تصریح فرمائی ہو کہ اُس کے بندوں کا اُسکی طرف محتاج ہونا اُن کیلئے ایک صفت ذاتی ہے، جس کا اُن سے علٰحدہ ہونا ناممکن ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا بے نیاز اور ستودہ صفات ہونا اُس کیلئے ایک امر ذاتی ہے۔ بندگانِ خدا کا فقر و احتیاج اور اللہ تعالیٰ کا غنی حمید ہونا دونوں کسی خارجی سبب اور علّت کے محتاج نہیں۔ بندہ کا اپنے ربّ تعالیٰ کی طرف

محتاج ہونا اُسکی ذات کا ایک جزو ہے اور وہ کسی دوسرے سبب یا علت مثلاً حدوث یا امکان کی بنا پر نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بے نیاز ہونا اُس کیلئے صفتِ ذاتی ہے جس کیلئے کسی خارجی علّت یا مُوجب ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔

صفاتِ ذاتیہ کسی سبب کے محتاج نہیں

شیخ الاسلام ابن تیمیہ انسان کے فقر و احتیاج اور اللہ تعالیٰ کے غنیٔ مطلق ہونے کو اُسکی صفتِ ذاتیہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کو انسان کے فقر و احتیاج کا سبب یا علت بتایا گیا ہے، مثلاً امکان اور حدوث وغیرہ، وہ تمام تر اسکے علامات ہیں، جن کے وجود سے اسکے فقر و احتیاج پر استدلال کیا جا سکتا ہے، لیکن کوئی بھی ان میں سے اسکی علتِ موجبہ نہیں۔ کیونکہ صفتِ ذاتیہ سبب اور علت کی ہرگز محتاج نہیں ہوتی۔ لہذا عالمِ کون و فساد کو رب العالمین کا محتاج قرار دینے کیلئے اسکے امکان یا حدوث سے استدلال کرنا اور امکان یا حدوث کو اسکے احتیاج کی علت قرار دینا، جیسے کہ بالترتیب فلاسفہ اور متکلمین کا قول ہے، یہ بالکل غلط ہے۔

اِمکان اور حدوث

صحیح قول یہ ہے کہ امکان اور حدوث آپس میں لازم ملزوم ہیں اور دونو کو احتیاج کی دلیل کہا جا سکتا ہے، لیکن اسکی علتِ موجبہ ان کو ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس کا احتیاج اپنے رب کی طرف اُسکی وصف ذاتی ہے جو کسی علت کی محتاج نہیں۔ چنانچہ عالم اور ما فی العالم سب اپنے رب کی طرف بالذات محتاج ہے، اور اُس کا غنیٔ مطلق ہونا اُس کی صفتِ ذاتیہ ہے، تعالیٰ شانہ، عالم کا امکان یا حدوث وغیرہ اس کے احتیاج کی علامتیں اور اُس کے دلائل ہیں، فقط۔

محتاج بالذات

الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حقیقت کھول کر تمہارے سامنے رکھ دی ہے کہ وہ بالذات اسکے محتاج ہیں، اور ساتھ ہی اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ وہ غنی مطلق ہے، اور دونوں کے حق میں اسکے خلاف ہونا محال اور ناممکن ہے۔ جیسے کہ عبد کا عبد نہ ہونا اور رب تعالیٰ کا رب نہ ہونا ممکن نہیں ہے۔

فصل ۲

فقر کی قسمیں

پہلی قسم

جب تم نے اچھی طرح اس بات کو ذہن نشین کر لیا کہ ہم محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے تو اب سمجھ لو کہ فقر و احتیاج کی دو قسمیں ہیں:

اول فقر اضطراری ہے جو ہر ایک نیک و بد کے گلے کا طوق ہے لیکن اس قسم کے فقر پر کسی قسم کی مدح و ذم یا ثواب اور عذاب مترتب نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکی مثال یہ ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے سے کسی کو چارہ نہیں۔

دوسری قسم

دوسرا فقر اختیاری ہے جو کہ دو جلیل القدر حقیقتوں کا علم حاصل ہونے کا نتیجہ ہے: ایک یہ کہ انسان اپنے رب کو پہچان لے۔ دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو پہچان لے۔ ان دونوں حقیقتوں کا علم حاصل ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کو اپنے ذاتی فقر و احتیاج کا علم حاصل ہو اور اسی میں اس کی فلاح اور سعادت ہے اور چونکہ ان دونو

حقیقتوں کا علم سب میں یکساں نہیں، اس لئے فقرِ اختیاری کے مراتب بھی مختلف ہیں جو اس علم کا نتیجہ ہے۔

معرفتِ خالق و مخلوق

چنانچہ جب کسی نے یہ پہچانا کہ اس کا رب تعالیٰ غنی مطلق ہے، اسکو اپنے فقر ذاتی کا علم حاصل ہوگیا۔ جس کسی نے اپنے رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو پہچانا، اسکو اپنا کامل عجز معلوم ہوگیا۔ جس کو یقین حاصل ہُوا کہ اس کے رب کی صفتِ عزت درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی ہے، اس کو یہ بھی یقین ہوگا کہ وہ خود حد درجے کا مسکین ہے۔ اور جس نے یہ جانا کہ اسکا رب علم محیط اور حکمتِ بالغہ کی صفاتِ کاملہ سے موصوف ہے، وہ اپنے جہل کا معترف ہُوا۔

فقرِ اضطراری

جب انسان اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہُوا تو وہ جاہل مطلق تھا، کچھ بھی نہیں جانتا تھا، ایک تنکے تک کو کسی ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ رکھ دینے پر قادر نہیں تھا اور کسی قسم کا ذرہ بھر تصرف یا اختیار اسکو حاصل نہیں تھا، وہ کسی کو دینے یا نہ دینے کی مطلق طاقت نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی اپنا یا کسی دوسرے کا نفع نقصان اس کے بس میں تھا۔ اس حالت میں عاجز، فقیر اور محتاج ہونا آنکھوں سے دیکھا جا سکتا تھا اور ہر ایک شخص اسکو محسوس کرسکتا تھا۔ اور یہ تمہیں معلوم ہو کہ یہ صفتِ احتیاج اس کے لوازم ذاتیہ میں سے ہے اور صفاتِ ذاتیہ میں تغیر کا آنا محال اور ناممکن ہے، وہ ہمیشہ بندۂ محتاج ہوگا اور کبھی اپنے وجود و بقا میں) اپنے خالق سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

فقرِ اختیاری

الغرض اس کی پہلی حالت تم دیکھ چکے ہو (جبکہ کسی کو بھی اس کے ہر طرح سے

عاجز اور محتاج ہونے میں ذرہ بھی شک نہیں تھا) لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیں اور ظاہر و باطن میں اسکو اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا، اس کو آنکھ اور کان اور دماغ بخشا، اس میں علم اور قدرت ودیعت فرمائی اور تمام کائنات میں تصرف کرنے پر اس کو قادر کیا۔ چنانچہ اپنے ابنائے جنس سے انواع و اقسام کی خدمتیں لیں، اور چرند اور پرند کو اس نے مسخر کیا، سمندر کی گہرائیوں میں بسنے والے جانوروں تک اسکی دستبرد سے محفوظ نہ رہے، اور وحشی درندوں تک کو اپنے قبضہ میں لایا، نہریں کھودیں، پہاڑوں کو چیرا پھاڑا، سربفلک عمارتیں بنائیں اور دشمنوں سے بچنے کا سامان کیا۔

انسان کی سرکشی

اس حالت میں پہنچ کر وہ اپنے آپ کو ایک دوسری آنکھ سے دیکھنے لگا، اپنے فقر و احتیاج کو ایسا بھلا دیا، گویا اُسکی قلب ماہیت ہو گئی، گویا وہ اب پہلا شخص ہی نہیں رہا جو عجز و احتیاج کا مجسمہ تھا، اور اپنے زعم باطل میں یہ سمجھنے لگا کہ وہ بھی خدائے تعالیٰ کی سلطنت میں برابر کا شریک حصہ دار ہے (بلکہ بہتوں نے تو اپنے آپ کو متصرف کُل خیال کیا اور خدائے تعالیٰ کا خیال تک درمیان سے نکالدیا۔ اگر تمہیں اس میں شک ہو تو اہل زمانہ کی طبیعتیں اور مادہ پرستوں کو دیکھ لو)۔

آیت انفس

مسند امام احمد میں بشر بن جحاش ؓ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ "ایکدن آنحضرت صلعم نے اپنی ہتیلی پر تھوکا اور اُس پر اُنگلی رکھکر فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اے آدم کے بیٹے! کیا تم میرے قبضۂ قدرت اور میرے تصرف سے باہر جا سکتے ہو؟ حالانکہ میں نے تمہیں اسی (تھوک) کی مانند چیز سے پیدا کیا۔

یہاں تک کہ میں نے تمہارے اعضا اور قُویٰ کو درست کیا اور تم کپڑوں کا جوڑا پہن کر اکڑ اکڑ کر چلنے لگے، تب تم نے مال و دولت جمع کی اور مستحقین کو اُس کے دینے میں بُخل کیا۔ اور بالآخر جب تمہاری رُوح پرواز کرنے لگی تو تم نے یہ کہنا شروع کیا کہ "اب میں خیرات کرونگا"، لیکن اب یہ خیرات کا وقت کہاں"؟ (اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت!)۔

سرکشی کا انجام

اسی مقام پر توفیق اور خذلان کے مناظر پیش آتے ہیں، چنانچہ مخذول وہی ہے جو اپنی حقیقت سے غافل ہوا اور اپنے نفس کو بُھلا دیا، اور ساتھ ہی اپنے فقر و نیاز اور اپنے خالق کی طرف محتاج بالذّات ہونے کو فراموش کر کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے سرکشی اختیار کی اور اُسکا انجام شقاوت ہوا۔ قال اللہ عزوجل:۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی۔ (۹۶: ۶، ۷)

انسان جب دیکھتا ہے کہ وہ بے نیاز ہو گیا تو وہ سرکشی کرنے لگتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی۔

(۹۲: ۵ تا ۱۰)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی خُوشنودی کیلئے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور پرہیزگاری کرتا ہے اور وعدۂ نیک کو سچا جانتا ہے اُس کیلئے ہم دشوار ترین راستے آسان بنا دینگے، لیکن جو کوئی بخیلی کریگا اور اپنے آپکو بے نیاز سمجھیگا اور وعدۂ نیک کی تکذیب کریگا اس کیلئے ہم آسان ترین راستے کو دشوار کر دینگے۔

فصل ۳

کامل ترین انسان

آنحضرتؐ کی دعائیں

الحاصل کاملترین انسان وہ ہے جو عبودیت میں اکمل ہو اور اپنے فقر و نیاز اور خالق کی طرف اپنے محتاج ہونے کا برابر مشاہدہ کرتا رہے، اور یہ کہ وہ ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے رب تبارک تعالیٰ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت صلعم اکثر اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَلَا اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ۔	بار خدایا! میرے ہر ایک کام کو درست کردے اور مجھ کو ایک لمحہ کیلئے بھی میرے اپنے نفس یا کسی دوسری مخلوق کا محتاج نہ کیجیو۔

نیز فرمایا کرتے تھے:

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ ۔	اے میرے خدا! جو دلوں میں تصرّف کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور انکو بدلتا رہتا ہے، میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھیو۔

اس دعا سے آپ کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ جس طرح بھی چاہتا ہے اس میں تصرّف فرماتا ہے۔ کیونکہ خود آپ ہی پر تو یہ آیت نازل ہوئی تھی:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ	اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو یقیناً تم

اُنکی طرف تھوڑے بہت مائل ہو جاتے۔	تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا۔ (۱۷:۷۴)

آنحضرتؐ کا قربِ منزلت

آنحضرت صلعم کا اپنے آپ کو ربّ تعالیٰ کا محتاج سمجھنا بقدر آپؐ کی معرفت اور آپؐ کے قربِ منزلت کے تھا، سچ ہے کُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْہِ۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زائد قرب حاصل تھا اور آپ کا مرتبہ سب سے بلند تھا، کیونکہ آپ نے فقر اور عبودیت کے مقام کی تکمیل کی تھی۔ آنحضرت صلعم اپنے صحابہ سے اِس طرح خطاب فرمایا کرتے تھے: "لوگو! مجھ کو اپنے مرتبے سے مت بڑھاؤ، کیونکہ بیشک میں ایک بندہ ہوں"۔ بعض اوقات اِس مضمون کو اِن الفاظ میں بیان فرمایا کرتے تھے: "میری تعریف میں اس طرح کا مبالغہ مت کیا کرو جس طرح کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں غلو کیا ہے۔ بیشک میں ایک بندہ ہوں، اور تم یہی کہا کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اُس کا رسول ہے"۔

شرفِ عبودیت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کلام پاک میں تین ایسے مقامات پر بندہ کے لفظ سے یاد فرمایا ہے، جہاں پر کہ آپؐ کا شرف بتانا مقصود تھا:

۱۔ آپؐ کے معراج کا قصہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

پاک ہے وہ خدا جس نے رات کے ایک حصہ میں اپنے بندہ کو (آسمانوں کی) سیر کرائی۔	سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ (۱۷:۱)

۲۔ دعوت کے مقام میں آپؐ کا حال ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:۔

جب اُسکا بندہ اُسکو پکارنے کیلئے کھڑا ہوتا ہو تو یہ لوگ اس پر اِس طرح اژدہام کرتے ہیں گویا قریب ہو اسکے اردگرد پرے کے پرے باندھ دیں۔	وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا۔ (۷۲:۱۹)

۳- آپ کے صدق اور قرآن کریم کی حقانیت کا ان الفاظ میں چیلنج دیا گیا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (۲ : ۲۳)

اگر تمہیں اس کلام کی سچائی میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل فرمائی ہے تو اسکی مانند تم بھی ایک سورت بنا لاؤ۔

شفاعت کی حدیث میں مذکور ہے کہ "جب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہونگے تو آپ اُن سے کہیں گے "محمدؐ کے پاس جاؤ، وہ ایک ایسا بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اُس کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں"۔ بالفاظِ دیگر شفاعت کا مقامِ محمود آپ کو عبودیت کی بدولت حاصل ہوا اور اس لئے کہ آپ مغفور الذنب ہیں۔

فصل ۴

فقر کی کونسی قسم مفید ہے؟

انبیاؑ اور صالحین کا فقر

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ فقر و احتیاج کی دو قسمیں ہیں: ایک اضطراری جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود و بقاء میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی محتاج ہے۔ (اس میں مطیع اور غیر مطیع برابر ہیں) دوسرا فقر اختیاری جس کی ماہیت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی معرفت حاصل کرکے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا محتاج تصور کرےؔ۔

ؔ یعنی یہ کہ وہی اُسکا معبود ہے، اُسی پر اُس کو بھروسا رکھنا چاہئے، اُسی کی ذاتِ پاک

فقر کی یہی دوسری قسم مفید ہے اور انبیا اور صالحین کا فقر اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی نکتہ کیلئے آیت مندرجہ عنوان (اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ) میں اللہ تعالیٰ نے اس فقر کی اضافت لفظ "اللّٰہ" کی طرف منسوب کی ہے "رَبّ" کی طرف نہیں کی۔ جس فقر کا صوفیہ کرام اپنے کلام میں ذکر کیا کرتے ہیں اور اسکو موضوعِ بحث قرار دیتے ہیں، وہ یہی فقر خاص ہے، فقر عام سے انکو کچھ سروکار نہیں۔

فصل ۵

مدارجِ فقر

فقر کی تعریف

فقر کی تعریف بیان کرنے میں صوفیہ کرام کی عبارتیں مختلف ہیں اور ہر ایک صاحب معرفت نے اپنی معرفت اور اپنے ذوق اور وجدان کے مطابق اس کی تعریف بیان کی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاریؒ فقر کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں: "فقر کی ماہیت یہ ہے کہ آدمی مِلک اور تصرّف کا دیکھنا چھوڑ دے۔

پہلا درجہ

فقر کے تین درجے ہیں: پہلا درجہ زاہدوں کا فقر ہے اور وہ یہ ہے کہ دُنیا کی طلب اور اُس کا قبضے میں رکھنا ترک کردے، اُس کی مدح اور ذم زبان

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۴) سے اپنی بیم و امید کو وابستہ رکھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ (مترجم)

پر نہ لائے اور اُس کی طلب یا اُس کے ترک سے اُس کا دل سلامت ہو۔ یہی فقر ہے جس کے شرف کی بابت اہلِ تصوّف نے کلام کیا ہے۔

دُوسرا درجہ

فقر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو سب سے پہلے ملحوظ رکھنے کی طرف رجوع کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے اعمال پر فریفتہ ہونے سے محفوظ رہیگا۔ احوال و مواجید کی خواہش اُس کے دل میں باقی نہیں رہیگی، اور وہ مقاماتِ عالیہ کو خاطر میں لانے کی نجاست سے آلُودہ نہیں ہوگا۔

تیسرا درجہ

تیسرا درجہ اس کا یہ ہے کہ صحیح طور پر اپنے آپ کو مضطر (مُردہ بدست زندہ) خیال کرے، انقطاعِ توحیدی کے قبضہ میں پڑ جائے اور تجرید کی قید میں محبوس ہو جائے۔ صوفیہ کا فقر یہی ہے۔"

فصل ۶

حقیقتِ فقر

مشاہدۂ مِلک و تصرّف

شیخ الاسلام عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں "آدمی مِلک اور تصرّف کا دیکھنا چھوڑ دے"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف اپنے مالکِ حقیقی کو متصرّف سمجھے اور اپنے نفس کو ہر ایک طرح سے مملوک خیال کرے اور کسی حالت میں بھی

اس کے مالک ہونے کا خیال تک نہ کرے، اور اپنے اعمال کی بابت یہ خیال کرے کہ اُس کی عبودیت کی وجہ سے اُن کا بجا لانا اُس پر لازم ہے۔ اُس کے مالک کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اُس سے کام لے۔ وہ اپنی ذات اور اپنے اعمال کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔

مملوک غلام کی مثال

ایک شخص اپنے خود پیدا کردہ مال سے ایک غلام خرید کر اُس کو کوئی پیشہ سکھلا دے اور پھر اُس کو حکم دے کہ جو کچھ تم کماؤ، وہ میرے خزانے میں داخل کرو۔ تم کو اپنے نفس پر اور اپنی کمائی پر کچھ بھی اختیار حاصل نہیں۔ اب اگر یہ غلام کچھ کما کر حاصل کرے تو یقیناً وہ اُس کے ہاتھ میں ایک امانت ہوگی جس کا اپنے مالک کو سپرد کر دینا اُس کا فرض ہوگا، اور اُس کے تمام تصرفات اپنے مالک کے لئے ہونگے۔

منصب رسالت

چنانچہ اسی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:
"میں نہ تو کسی کو دینے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی سے کچھ روک سکتا ہوں۔ بیشک میرا منصب ایک تقسیم کنندہ کا ہے اور حسب الحکم (اس کو) تقسیم کرتا ہوں۔"
اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ خالص عبد کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کا تصرف بعینہٖ ایک غلام کے تصرف کی مانند ہے جو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور بس!

نصب العین کا تفاوت

مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور جو کچھ اس کے بندوں کے قبضہ اور تصرف میں ہے، وہ تمام اموال اور خزانے اُسی کے ہیں، جو صرف اس غرض کے لیئے ان کے ہاتھ میں دے دئیے گئے ہیں کہ اُن کی صفتِ بذل و امساک کو جانچا جائے، اور اُن کی سچی عبودیت کا امتحان کیا جائے۔

چنانچہ ایک تو اُن میں سے اللہ تعالیٰ کے ثواب میں رغبت کر کے اور اُس کی عقوبت سے ڈر کر اور اُس کے قرب اور اُس کی رضامندی کے حصول کو مدنظر رکھکر اپنے مال میں تصرّف کرتا ہے۔ برخلاف اس کے دوسرے شخص کا بذل اور امساک خواہشِ نفس اور طبع کے موافق ہوتا ہے۔ وہ اس مال میں مالکانہ تصرّف کرتا ہے، (اور مالکِ حقیقی کے احکام کی مطلق پروا نہیں کرتا بلکہ) اس کا نصب العین جاہ طلبی ہوتی ہے اور وہ لوگوں میں اس کے ذریعہ رفعت اور منزلت حاصل کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ انہی کی مدح اور ذم پر اس کی نظر ہوتی ہے اور انہیں کے دل میں وہ گھر بنانا چاہتا ہے۔ یا ایسے ہی اغراض کے فوت ہونے کا اس کو ڈر ہوتا ہے۔

کفرانِ نعمت

الغرض ایسے شخص کی رغبت اور اس کے خوف کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے خالق سے نہیں ہوتا، ایسا شخص عبودیت کے حدود سے باہر نکل جاتا ہے اور اپنے فقر اور احتیاج کو (جو اُس کی صفتِ ذاتیہ ہے) فراموش کر دیتا ہے۔

اگر وہ شخص اپنے نفس کی حقیقت کو پہچان لیتا تو وہ جان لیتا کہ بیشک وہ مملوکِ محض ہے۔ اگرچہ اس کی ظاہری صورت ایک مالک متصرّف کی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ۔ (۱۰ : ۱۴)	ان قوموں کے ہلاک کرنے کے بعد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں گے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

کفران کا انجام

اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے آپ کو بھی مالک خیال کرتا ہو، وہ اس قابل ہے کہ اس کو اپنے نفس کے حوالے کیا جائے، کیونکہ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے

ساتھ اپنے لئے بھی کوئی دعوے کرتا ہے، وہ اُسی کے حوالے کیا جاتا ہے، لیکن یہ سمجھ لو کہ جس کو غیر اللہ کے حوالے کیا گیا اُسکا انجام یقینی ہلاکت ہے اور اُسکے لئے کسی فوز و فلاح کی اُمید نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر ہر ایک چیز باطل ہے اور جس کو باطل کے حوالے کیا گیا، اُس کا عمل بھی باطل ہوگا اور وہ اپنے اعمال کے ثمرہ سے محروم رہیگا، اور جس کا تکیہ اور بھروسا غیر اللہ پر ہے وہ سخت ترین حاجت کے وقت میں اُس سے قطع تعلق کریگا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ۔ (۲ : ۱۶۶)	جبکہ وہ اشخاص جن کی پیروی کی گئی اپنے پیرؤں سے بیزاری کا اظہار کرینگے اور عذاب کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینگے اور تمام وسائل اُن کے حق میں منقطع ہو جائینگے (تو پھر اُن کا برا حال ہوگا)

انجام کار کی وجہ

اُن کے بطلانِ عمل کی وجہ صاف ہے، کیونکہ جس چیز کی غایت غارت ہو جائیگی اس کے اسباب کا باطل ثابت ہونا ظاہر ہے۔ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے بغیر ہلاک ہونے والی ہے، اور ہر ایک عمل جس کا مقصد خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا نہ ہو، وہ باطل ہے۔ اور ہر ایک کوشش جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے نہ ہو، اکارت جائیگی۔

حاکم اور خادم کی مثال

فرض کرو، ایک شخص کسی حاکم یا امیر کی خدمت کرتا ہے اور اُسکی رضامندی کے حصول کیلئے شب و روز کوشاں رہتا ہے۔ اب اگر یہ حاکم اور امیر مر جائے تو کیا اس شخص کی خدمت اور کوشش اکارت نہیں جائیگی؟

واصلِ جہنّم

اسی بناء پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیگا۔ کیا یہ میرا انصاف نہیں ہے کہ جو شخص جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اُسی کے ساتھ رہے۔ چنانچہ بُت پرستوں کو بُتوں کی رفاقت نصیب ہوگی اور جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بُتوں کے دوزخ میں گرنے پر وہ لوگ بھی جہنّم میں جا پڑینگے۔ آفتاب پرست اور ستارہ پرست اپنے معبودوں کے سپرد کیئے جائینگے اور آفتاب اور ستاروں کے جھڑ جانے پر اُن کی پرستش باطل ثابت ہوگی۔ اور اُن کے اعمال اور اُن کی کوششیں اُن کے لئے حسرت اور ندامت کا موجب ہونگی۔ فرمایا:

كَذٰلِكَ يُرِيهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ۔ (۲/۱۶۷)	اسی طرح اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال اُن کیلئے حسرت اور ارمان کرکے دکھائیگا اور وہ دوزخ کی آگ سے نکلنے والے نہیں۔

مُشرک اور موحّد

یہی وجہ ہے کہ مشرک کا شرک اُس کے حق میں عظیم ترین خسارہ کا باعث ہوگا، کیونکہ اُس کا بھروسہ ایسی ذوات پر ہے جو خود محتاج اور غایت درجہ کی تہیدست ہیں۔ لیکن موحّد کا بھروسہ ایک ایسی ذات پر ہے جو غنیٰ اور جُود کا سرچشمہ ہے۔

فصل

تشریح مِلک و تصرّف

فقرہ ممدوح

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کی عبارت میں ہے کہ آدمی مِلک اور تصرف کا دیکھنا چھوڑ دے۔ کیونکہ بعض اوقات آدمی بظاہر کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

اِسلئے اُس فقرِ ممدوح کی صفت سے موصوف نہیں ہوتا' جس کے ہوتے ہوئے انسان تمام اشیاء کا مالک اور متصرّف فقط اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے جو مُلک اور ملکُوت کا خداوند ہے' یہاں تک کہ بعض اوقات ایک شخص مال و دولت اور خزانوں کا متصرّف ہوتا ہے پھر بھی وہ اپنے آپ کو مالک خیال نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کو خازن کی حیثیت میں سمجھتا ہے ۔

امثلۂ فقرِ ممدوح

چنانچہ سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ بادشاہت دی تھی جو کسی دوسرے فردِ بشر کو نہیں دی گئی ۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اور حضرت شعیب اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کے پاس دولت کی افراط تھی ۔ صحابہ میں بھی ایسے افراد موجود تھے جن کے پاس مال و دولت کی کمی نہیں تھی ۔ اور جلیل القدر اصحاب نے بظاہر مِلک اور تصرّف کو نہیں چھوڑا ۔ لیکن مِلک اور تصرّف کا "دیکھنا" ان کی طرف ہرگز منسوب نہیں کیا جا سکتا ۔ جو کچھ مال و دولت ان کے پاس موجود تھی وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عاریت سمجھتے تھے ۔ وہ مال گویا ان کے ہاتھ میں امانت تھا ۔ اور وہ جانتے تھے کہ اس سے مقصود یہ آزمائش ہے کہ کیا ہم اس مال و دولت میں ایک مملوک غلام کا سا تصرّف کرتے ہیں جو اپنے آقا کے احکام کا اتباع کرتا ہے یا ان اشخاص کی طرح ان میں تصرّف کرتے ہیں جو اپنے آپ کو حقیقۃً اس کا مالک اور متصرّف خیال کرتے ہیں ۔ اور تصرّف میں آزادانہ روش اختیار کر کے ہوائے نفس کے تابع رہتے ہیں ۔

فقر کا اطلاق

الغرض مال و دولت کا کسی کے ہاتھ میں ہونا' اس پر فقیر کا اطلاق کرنے سے مانع نہیں' بلکہ اس کا اپنے آپ کو مالک خیال کرنا اس سے مانع ہے کہ جو شخص

باوجود مال و دولت کے اپنے آپ کو مالک خیال نہیں کرتا، اس مال میں تصرف کرنے سے اس کا باطن آلودہ نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایک خازنِ امین کی ہے جو اپنے آقا کے اشارے کے مطابق اس میں تصرف کرتا ہے۔ ایسے شخص کے پاس اگر چاندی اور سونے کے پہاڑ بھی ہوں تو وہ اس کو مطلق ضرر نہیں پہنچائیں گے۔

بندۂ درم و دینار

برخلاف اس کے جو شخص سچ مچ اپنے آپ کو مالک خیال کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کا مال کے ساتھ عاشق اور معشوق کا سا تعلق ہوتا ہے اور اس کی جمع اور تحصیل اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے۔ وہ اس کے ملجانے پر مسرور اور اس کے نہ ملنے کی حالت میں اندوہگین نظر آتا ہے۔ ایسے ہی شخص کے لئے حدیث شریف میں "بندۂ درم و دینار" کا ہولناک لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وہ فقر اور تنگدستی کا تصور تک کرنے سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے اور بعض اوقات موت کو اس پر ترجیح دیتا ہے۔

اللہ کا بندہ

اس کے مقابلہ میں اوّل الذکر شخص اپنے مولیٰ اور مالکِ حقیقی کی محبت میں مگن رہتا ہے جس کے ہاتھ میں زمین اور آسمان کی کنجیاں ہیں۔ اگر اس کے مال پر کوئی آفت نازل ہو تو اس کا پختہ اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ خود مالکِ حقیقی نے اپنے مال میں مالکانہ تصرف فرمایا ہے، اور اس لئے وہ اپنا یہ حق نہیں سمجھتا کہ کسی مالی نقصان پیش آنے کی حالت میں بیصبری اور بےقراری کرے، اس پر غمگین ہو۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی حیثیت ایک خازن اور امین غلام سے بڑھ کر نہیں۔ مالک کو ہر طرح کا اختیار حاصل ہے کہ جس طرح چاہے اپنے مال میں

تصرف کرے۔ چاہے اُس کو باقی رکھے اور چاہے اُس کو فنا کردے۔ خازن غلام کو اس میں چون وچرا کرنے کا ذرہ بھی حق حاصل نہیں۔ وہ تو یہی جانتا ہے کہ مالک حقیقی کی ایک بڑی صفت یہ ہے کہ وہ حکیم ہے اور اس لئے اُس کا کوئی فعل اور تصرف خالی از حکمت نہیں ہوگا۔ اُس کا قلب مال کے تعلق سے فارغ ہوتا ہے اور وہ اُس کی پروا نہیں کرتا، اُس کی ہمت کا مطمح نظر اپنے رب تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی محبت اور اُس کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے جس نے اُس کو ہر ایک دوسری چیز سے بے نیاز کر رکھا ہے ہاں تو وہ اُسی کا محتاج رہتا ہے۔

طغیان اور گمراہی

العرض تمام تر خرابی مِلک اور تصرف کے دیکھنے میں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے کلام پاک میں اسی دیکھنے کو انسان کے طغیان اور اُس کی گمراہی کا سبب بتایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۔ (۹۶ : ۶) | بیشک انسان سرکشی اختیار کرتا ہے جبکہ وہ "دیکھتا" ہے کہ وہ بے نیاز ہو گیا۔

فصل ۸

استغنیٰ سے کیا مراد ہے؟

طغیان اور ہلاکت کا سبب

سورۃ الیل کی اس آیت میں کہ:

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ | اور لیکن جسنے بخل اور لاپرواہی کی اور اچھی

بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۔ (۹۲ : ۲)	بات کو جھٹلایا ۔ پس آسان کر دینگے ہم اُس کیلئے سختی کو اور نہ کفایت کریگا اُس کیلئے مال جس کیلئے وہ متردّد تھا ۔

استغنیٰ کے ساتھ رویت کا کوئی صیغہ استعمال نہیں کیا گیا ۔ اور اس میں واللہ تعالیٰ اعلم نکتہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں اس کے " طغیان " کی علت بتانا مقصود تھا ۔ اس لئے انسان کا اپنے آپ کو مالک اور متصرف بے نیاز سمجھنے اور " دیکھنے " کی تصریح فرمائی اور سورۃ الّیل میں اس کی " ہلاکت " کے اسباب کا بتانا مقصود تھا ۔ یعنی یہ کہ وہ اپنے ربّ تعالیٰ کے احکام کی پابندی سے اپنے آپ کو بے نیاز خیال کرکے اُس کو چھوڑ دیتا ہے ، کیونکہ اگر وہ اپنے آپ کو اُس کا محتاج خیال کرتا تو وہ اُس کے احکام کی پابندی کو اُس کے قُرب کا موجب تصوّر کرتے ہوئے اُن احکام کے بجا لانے میں کوتاہی نہ کرتا ۔ اور اُس کا رویّہ ایک ایسے مملوک غلام کا ہوتا جو اپنے مولیٰ سے ایک لمحہ کے لئے بے نیاز نہیں ہوسکتا اور اس کے احکام کی بجا آوری اپنا فرضِ مؤکّد خیال کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر خصوصیت سے اس کے بُخل کا بھی ذکر کیا ہے ، اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اُن نیک وعدوں کی تکذیب کرتا ہے جو اہلِ احسان (مومنین محسنین) کے ساتھ کیئے گئے ہیں ۔ جیسے کہ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۔ (۱۰ : ۲۶)	جن لوگوں نے نیکی کی اُن کیلئے وعدۂ نیک ہے اور اس سے زیادہ بھی ۔

اب میں (ابن قیم) نے اس آیۃ میں لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس احسان سے مراد کلمۂ توحید کی شہادت ہے ۔ وہ اس بات پر مبنی ہے کہ توحید کا اعتقاد اور اُس کا اعتراف تمام نیکیوں کی جڑ ہے اور اسی کی بدولت انسان خدائے تعالیٰ کے

نیک عددوں کو پاتا ہے۔

مفسرین کی غلطی

لیکن جن مفسرین نے الحسنیٰ کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ "آدمی خدا کی راہ میں خرچ کر کے اس کا عوض (اس دنیا میں) پاتا ہے"۔ انہوں نے تفسیر کا حق ادا نہیں کیا ہے۔ الحسنیٰ کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع ہے، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ یہ عوض بھی اس کا ایک جزو ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہو جانا (اس کے احکام کو چھوڑ دینا) انسان کی ہلاکت کا موجب ہے، اور اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنا اس کے طغیان کا باعث ہے۔ یہ دونوں باتیں فقر اور عبودیت کے خلاف ہیں۔

فصل ۹

فقر کے پہلے درجہ کی تشریح

طریقۂ ترکِ دُنیا

اس کے بعد شیخ الاسلام انصاریؒ نے فقر کے پہلے درجہ کی تعریف بتائی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اپنے ہاتھ اور دل کو دُنیا کی آلودگیوں سے ملوث نہ ہونے دے۔ اور اس زُہد اور دُنیا کی بے رغبتی کا تصور تک دل میں نہ لائے۔ اس ملوث نہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ دُنیا کو قبضہ میں رکھنے اور اس کے طلب کرنے سے دست بردار ہو جائے۔ یعنی اگر اس کے پاس دُنیا کا مال و دولت موجود ہو تو اس کے (وجوہ خیر میں) خرچ کرنے کے متعلق بُخل نہ کرے۔ اور اگر موجود نہیں تو اس

کی طلب کیلئے حرص اور سوال نہ کرے۔ اس کی یہ رُوگردانی اور دست برداری اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس کے دل میں دُنیا کی کچھ بھی قدر و منزلت اور وقعت نہیں ورنہ اس کا نتیجہ اس کے برخلاف ہوتا۔ مال و دولت کے ہوتے ہوئے وہ اس کو قبضہ میں رکھنے کی کوشش کرتا۔ کیونکہ وہ اسی کی بدولت اپنے آپ کو بے نیاز خیال کرتا۔ اور مال دولت کے نہ ہونے کی حالت میں وہ اس کی طلب میں سرگرداں رہتا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو اس کا محتاج سمجھتا۔

مدح و ذم دُنیا

نیز یہ بھی فراغت اور دست برداری کا جزوِ مکمل ہے کہ اس کی مدح اور ذم دونوں سے ساکت رہے، کیونکہ جو شخص کسی چیز کی بابت فکرمند ہوتا ہے اور اس کی اس کے دل میں وقعت ہوتی ہے، لامحالہ اس کی مدح اور ذم کے متعلق کچھ نہ کچھ اس کی زبان پر آتا رہتا ہے۔ اگر وہ چیز اس کو میسر نہ ہو تو وہ اُس کی مدح میں رطب اللسان رہتا ہے، اور اگر اُس کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو تو اُس کی مذمت اس کی زبان پر جاری رہتی ہے۔ اور کسی چیز کی مذمت کرنا بھی اس کی اہمیت اور دل میں جاگزیں ہونے کی دلیل ہے، گویا اس کی مذمت کرکے وہ اپنے دل کو تسلی دیتا ہے۔

اسی طرح دنیا میں بے رغبت ہونے اور زُہد و اتقا کو بنظرِ وقعت دیکھنا بھی اِسی نسبت سے ہوگا جس قدر کہ دنیا کی اس کے دل میں وقعت ہوگی۔ جیسے کہ اس کی مدح بھی اسی نسبت سے ہوگی۔

مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ

یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے اُس کی یاد کثرت سے اس کی زبان پر ہوتی ہے۔ بہرحال جو شخص فقر کے اس درجہ میں ہے

وہ دُنیا کے مال و دولت موجود ہونے کی حالت میں اس کو اپنے قبضہ میں رکھنے کی کوشش نہیں کرتا، اور موجود نہ ہونے کی صورت میں اُس کی طلب میں غلطاں و پیچاں نہیں رہتا۔ اسی طرح وہ اس کی مدح میں رطب اللسان نہیں ہوتا، جس سے اس کی اس کے ساتھ دلبستگی ظاہر ہو۔ اور نہ ہی اس کے ذم میں مشغول ہوتا ہو جس سے یہ استدلال کیا جا سکے کہ اس کے دل میں اس کی اہمیت ہے، کیونکہ جب کسی چیز کی وقعت بالکلیہ دل سے زائل ہو جائے تو پھر آدمی اس کی مدح اور ذم سے بھی بالکلیہ رُوگرداں رہتا ہے۔

حقیقتِ تجرید

اسی طرح یہ شخص ترکِ دُنیا اور اس میں زُہد اختیار کرنے کو بھی چنداں اہمیت نہیں دیتا، اور اس لئے وہ اپنے اس زُہد کو کوئی قابلِ ذکر کارنامہ خیال نہیں کرتا، کیونکہ جب دل اس سے اہم تر باتوں میں مشغول ہو، جو اربابِ دل کی عالی مذاقی سے مناسبت رکھتی ہیں تو ایسی حالت میں اس کو زُہد اور ترکِ دُنیا کو بنظرِ وقعت دیکھنے کے لئے فرصت تک نہیں ملتی۔ ایسا شخص ان تمام عوارض سے جن کی ابھی ابھی تفصیل کی گئی ہے، محفوظ رہتا ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض باتیں ایسی ہیں جن کی اہلِ علم نے تعریف کی ہے۔ اور جس میں وہ پائی جائیں، اس کو ثواب اور مدح کا مستحق بنایا ہے۔ بایں ہمہ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ شخص تجریدِ باطن کے مقام سے بے بہرہ ہے، چہ جائیکہ وہ اُن حقائق سے فیضیاب ہو، جن تک رسائی حاصل کرنا اولوالعزم اور عالی ہمت اصحابِ طریقت کا مطمحِ نظر رہتا ہے۔

فصل ۱۰

درمیانی درجہ

ولادتِ روحانی کا تصوّر

الغرض اس درجے والا ان دو طبقوں کے درمیان ہے: ایک وہ جو ہاتھ دھو کر دُنیا کے پیچھے پڑا ہُوا ہے اور جس کے قلب کو اُسی کے حصول سے تسکین ہوتی ہے اور اِسی دُنیا کو اُس نے اپنا وطن غرض کر لیا ہُوا ہے۔ دوسرے وہ جس نے اس کو اپنے دل اور اپنی زبان دونو سے رخصت کر دیا ہو اور وہ اس کے جکڑ بندوں سے بالکل آزاد ہو چکا ہے، وہ ترقی کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے کہ جذباتِ عزّت نے اُس کے دل کو مسخّر کر لیا ہے جس سے اس کو ایک نئی زندگی حاصل ہونے کی اُمید ہے، اور جس کی خوشی سے وہ کپڑے دل میں پھولا نہیں سماتا۔

حاملہ و جنین کی مثال

اس کی مثال ایک حاملہ کی ہے جسکی ولادت کا وقت قریب پہنچ چکا ہے، اسی طرح اس شخص کی بھی صبح اور شام میں روحانی تولید ہُوا چاہتی ہے، کیونکہ جس شخص کی رُوح اور جس کے قلب کی نفس کے مشیمہ[1] سے ولادت نہیں ہوئی اور وہ اپنی طبیعت اور اپنی خواہشاتِ نفسانی اور اپنے ارادہ کی تاریکیوں سے باہر نہیں نکلا، اس کی مثال شکمِ مادر میں جنین کی ہے جو دُنیا ومافیہا کے حال سے

---

[1] مشیمہ اس پردہ کو کہتے ہیں جس میں بچہ لپٹا ہُوا ہوتا ہے۔ (مترجم)

بے خبر ہے، اور طبیعت اور ہوائے نفس اور ارادۂ شہوانی تینوں کی مثال ظلماتِ ثلاثہ کی ہے جس کے اندر جنین کی تخلیق ہوتی[۵۱] ہے۔

فصل ۱۱

ولادتِ رُوحانی

حضرت مسیحؑ کا قول

الغرض دو مرتبہ ولادت کا ہونا ضروری ہے، جیسے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا تھا کہ "جبتک تمہاری دو مرتبہ ولادت نہ ہو، تم آسمان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوگے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا اپنی اُمّت کے لئے باپ ہونا بھی یہی معنی رکھتا ہے۔ حضرت اُبیؓ کی قرأت میں ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (۳۳ : ۶)	نبیؐ بہت شفقت کرنیوالے ہیں مومنوں پر انکی جانوں سے کیونکہ وہ اُنکے باپ ہیں اور آپؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں۔

ازواج مطہرات کا مومنوں کی ماں ہونا بھی اسی کی ایک فرع ہے۔

رُوحانی باپ

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ارواح اور قلوب کو جہل اور ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر معرفت اور توحید کی فضا میں پھینکا ہے جو

---

[۵۱] آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ۔ (ازمر) تمہیں ماؤں کے پیٹ میں پیدائش پر پیدائش کرتا ہے تین اندھیروں میں۔

علم اور ایمان کی روشنی سے منور ہے۔ اور جس میں انہوں نے وہ حقائق مشاہدہ کئے جن کا وہ پہلے تصور تک نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ اپنی امت کے روحانی باپ ٹھیرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

کِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (۱۴ : ۱)	ہم نے تم پر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جسکے ذریعہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکالکر روشنی میں لاؤ۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (۱۶۴ : ۳)	بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک رسول اُن میں بھیجا جو اُن پر اُسکی آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور اُن کے باطن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے۔

فصل ۱۲

اقسام قلوب

اس روحانی ولادت کے لحاظ سے قلوب کی تین قسمیں ہیں :-

پہلی قسم

ایک وہ دل جن کی ولادت کا ابھی وقت نہیں آیا اور ابھی تک وہ شہوات

نفسانی اور جہالت اور گمراہی کے پیٹ میں اندھیروں میں پڑے ہیں۔

دُوسری قسم

دُوسری قسم وہ ہے جو نفس اور ہوٰی کے مشیمہ سے نکل کر معرفت اور توحید کی وسیع فضا میں نشو و ارتقار کے مدارج طے کر رہے ہیں۔ ان کی آنکھیں اللہ تعالےٰ کی معرفت اور اُس کی محبت سے ٹھنڈک حاصل کر چکی ہیں، اور وہ دُوسروں کے لئے خنکیٔ چشم کا موجب ہیں، اُن کے قرب سے رُوحوں کو تسکین ہوتی ہے اور اُن کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مطمئن ہو چکے ہیں اور اُن کی تمام تر توجّہ کا مرکز وہی ایک ذاتِ مقدّس ہے تعالیٰ شانہٗ۔ اِن کی ہمّت کا مطمحِ نظر وہی رفیق اعلیٰ ہوتا ہے۔ وہ ہر ایک چیز کا عوض پا سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا عوض ان کے نزدیک کوئی چیز بھی نہیں ہوسکتی۔ اُس کی یاد اِن کی زندگی کا موجب ہوتی ہے اور اُس کی رضا مندی اُن کی غایت مطلوب ہوتی ہے۔ اُس کی محبت اُن کی غذا اور اُس کی معرفت اُن کا مُونس ہوتی ہے۔ جو شخص اُن کا مُنہ اللہ تعالیٰ سے موڑ کر کسی دوسری طرف پھیرنا چاہتا ہے، وہ اُن کا دشمن ہے، چاہے ویسے وہ اِن کا دوستِ باصفا کیوں نہ ہو۔ اور جو شخص ان کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑتا اور مستحکم کرتا ہے، اس کو وہ اپنا دوست سمجھتے ہیں خواہ کسی دوسرے لحاظ سے وہ اُن کا جانی دشمن ہو۔ یہ دونو قسم کے دل ایک دوسرے سے بہت دُور انتہائی نُقطوں پر واقع ہیں۔

تیسری قسم

لیکن ایک تیسرا دل ہے جس کی حالت اِن دونو کے درمیان ہے جو صبح اور شام میں وِلادت کا منتظر ہے، جو فضائے تجرید کے کنارے پر کھڑا ہے اور توحید کی شعاعیں اسکو سامنے سے نظر آرہی ہیں۔ محبت اور شوق کے جذبات نے اس

پر اس حد تک غلبہ کیا ہے کہ وہ سوائے اُس ذاتِ پاک کے کسی دوسرے کا قرب نہیں چاہتا، جس کے قرب میں سراسر سعادت ہے، اور اسی کی محبت اور اطاعت میں ہر ایک طرح کی کامیابی ہے، لیکن اس کے طبعی جذبات اُس کے راستہ میں روڑے اٹکاتے اور اُس کو ٹھیرانا چاہتے ہیں۔ وہ ان دونو دواعی کی کشمکش میں مبتلا ہے، اگرچہ اُس نے راستہ کی بعض دشوار گذار گھاٹیاں طے کر لی ہیں، لیکن بعض دوسرے ہولناک بیابانوں کا قطع کرنا ابھی در پیش ہے۔

خلاصۂ بیان

خلاصۂ مقصد یہ ہے کہ جو کوئی ظاہر اور باطن میں اس مقام کے لوازم سے موصوف ہو اور خود بینی کی آفت سے محفوظ ہو اور کسی ایک نقطہ پر ٹھیر کر اپنی ترقی کو مسدود نہ کرنا چاہتا ہو، وہ حقیقت میں "فقیر" ہے، اور اس کے درجۂ فقر میں کسی قسم کا نقص نہیں۔

فصل ۱۳

دُنیا کی مذمت

دو مواقع

یہاں پر ایک نکتہ کا جاننا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ دو موقعوں پر دُنیا کی مذمت زبان پر لانا مستحسن سمجھا جاتا ہے۔

ایک یہ کہ دُنیا میں کوئی شخص راغب ہے اور تم اُسکو اُس سے بیدل کرنا چاہتے ہو۔
دوسرے یہ کہ نفس اور طبع کی خواہش انسان کو اُس کی طلب میں مبتلا کرنا چاہے

اور اس کو اندیشہ ہو کہ کہیں وہ اپنے نفس کی آواز پر لبیک نہ کہ دے۔ اس حالت میں وہ اپنے دل میں اُسکی بیوفائی اور طالبانِ دُنیا کی خستتِ نفس کا بار بار تصور باندھے اور زبان کو بھی اسکی مذمت میں گویا کرے) اور اگر اس کی عقل سلامت ہے اور اُس کی فطرت میں خرابی پیدا نہیں ہوئی تو اس میں زہد کا جذبہ پیدا ہونا یقینی ہے۔

فصل ۱۴

فقر کے دوسرے درجہ کا بیان

فنا فی اللہ

فقر کا دوسرا درجہ جس کا شیخ الاسلام انصاریؒ نے بیان فرمایا ہے، پہلے درجہ سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور پہلا درجہ اُس کے لئے بمنزلہ وسیلہ اور ذریعہ کے ہے اور اس درجے کا ملخص یہ ہے کہ وہ اپنے فقر کے ذریعہ سے اپنے مولائے حقیقی کے بغیر کسی دوسرے کی اُلوہیت سے متاثر ہونے اور اپنے لمحاتِ عمر کو سوائے اُس کی رضامندی حاصل کرنے کے کسی دوسرے شغل میں ضائع کرنے سے اپنے دل کو خالی کردے۔ اپنی تمامتر ہمت اُسی کے محبوب اعمال میں صرف کرے اور کسی دوسری چیز کو اس پر ترجیح نہ دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُس کی عبودیت خالص ہوگی۔ اور اُس کی محبت غیراللہ کی محبت کے شوائب سے پاک ہو جائیگی۔ اس کی صبح اور شام ایسی حالت میں ہوگی کہ اس کی ہمت کا مطمح نظر فقط اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس ہوگی۔ اُس کے دل سے سوائے اُس کی محبت کے دُوسروں کی محبت یکسر محو ہو جائیگی اور صرف اسی کو اپنا مُراد اور مقصود سمجھنا اس کے دیگر تمام ارادوں کو معطل کر دیگا۔

دل کا برتن

اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے، اس لیے جسقدر دل میں کسی ایک چیز کی محبت اور اس کی تلاش ہوگی اُسی قدر دوسری چیز کی محبت اور تلاش کے لئے دل میں جگہ نہیں رہیگی۔ جیسے کہ کسی ایک برتن میں دو شربت نہیں بھر سکتے۔ جتنا کوئی ایک شربت زیادہ مقدار میں ڈالا جائیگا، اُسی نسبت سے دوسرے شربت کی مقدار کم ہوتی جائیگی۔ البتہ اگر وہ برتن خالی ہے تو جس قسم کا شربت اعلیٰ یا ادنیٰ اس میں ڈالوگے، اُسی سے وہ بھر جائیگا۔ جیسے کہ ایک شاعر نے اپنے عاشقانہ مذاق میں کہا ہے ؎

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی   فصادف قلبا خالیا فتمکنا

ترجمہ: اس کی محبت نے میرے دل میں اس وقت گھر کیا جبکہ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ عشق اور محبت کیا بلا ہے؟ اور چونکہ میرا دل خالی تھا، اس لئے عشق نے اُس پر اپنا پورا تسلط جما لیا۔

اسی طرح مَا نَحْنُ فِیْہِ میں اس دوسرے درجہ کا فقر یہ ہے کہ وہ اپنے دل کے برتن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی شراب محبت کے بغیر ہر ایک دُوسری چیز سے خالی کردے، کیونکہ ہر ایک شراب منشی ہے اور ہر ایک مُنشی چیز حرام ہے خواہ وہ تھوڑی مقدار ہو۔ اور تم جانتے ہو کہ ہوائے نفس اور دُنیا کی محبت کا نشہ شراب کے نشہ سے کہیں بڑھکر ہے، اور جو برتن اس خبیث شراب سے بھر جائے، اس میں خدا کے ساتھ پاک محبت رکھنے والوں کی شراب تسنیم کیلئے کب جگہ باقی رہتی ہے۔ البتہ اگر اوّل الذکر شراب سے اس کو خالی کردیا جائے تو دارِ آخرت کی طلب اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کے شوق کا دریا اس میں لہریں مارنے لگے۔

متاع عزیز

لیکن اُس بیچارے کیلئے کیا اُمید ہوسکتی ہے جو اپنی پست ہمتی سے اپنی ذلت پر راضی ہے اور جس نے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کے قرب و کرامت کی متاع عزیز کو ادنیٰ ترین قیمت پر بیچ ڈالا ہے اور عنقریب وہ اپنے انجام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا۔

فصل ۱۵

موانع وعوارضات سالکین

احتیاط اہل معرفت

یہ یاد رہے کہ جس طرح عوارض کے ساتھ ملوث ہونا ایک قید ہے جو انسان کو اُس کے منزل مقصود تک پہنچنے سے روکتی ہے، جہاں پر اُس کے لئے ابدی زندگی اور حقیقی خوشی اور نعمت کا سامان ہے۔ اسی طرح جس نے محبت حقیقی کا مزہ چکھا، اور معرفت کی روشنی سے منور ہوئا اور اس کے دل میں اُلوہیت کا جلوہ سما گیا، اس کو بعض ایسے دقیق عوارض بھی پیش آتے ہیں جو اس کے لئے صریح حق کے جلوہ گر ہونے اور اپنے اضطرار اور احتیاج کو صحیح طور پر محسوس کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ بقاء دائم حاصل کرنے سے مانع ہوتے ہیں جو تمام سالکان طریقت کا آخری مقصد اور مطلوب ہے۔ اس لئے ہر ایک ایسی چیز جو اس آخری مطلوب کو سالک کی نظروں سے اوجھل کردے، وہ ایک حجاب اور رکاوٹ ہے جس سے اُس کی آگے کی ترقی موقوف ہو جاتی ہے۔ اور اس لئے عالی ہمت سالکان

طریقت کیلئے لازم ہے کہ وہ ایسی چیزوں کی طرف کسی قسم کی رغبت اور میلان نہ کریں۔ جیسے کہ ایک شخص جو حج کے ارادہ سے گھر سے نکلا ہے، اُس کو اگر راستہ میں ٹھنڈا سایہ اور پانی مل جائے تو اُس کو مرغوب سمجھ کر وہاں پر ٹھیر نہیں جانا چاہئے۔

"احوال" پر نظر رکھنا

الغرض فقر کے درجات میں اوّل الذکر شخص عوارض کو نظر میں لانے کی وجہ سے ادراکِ حقائق سے محجوب ہوتا ہے، اور مؤخر الذکر کو "احوال" پر نظر رکھنا حصولِ مطلوب سے روک دیتا ہے، لیکن اگر اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں کھول دیں تو وہ احوال کی طرف مائل ہونے سے بعینہٖ اسی طرح اجتناب کرتا ہے جیسے کہ وہ دُنیا کی مال و دولت کی طرف التفات کرنے اور جاہ طلبی سے محترز رہتا ہے اور اپنے دل کو اُن کے تعلّق سے خالی رکھتا ہے۔

پہلے اور دوسرے درجہ کا فرق

پہلے درجہ کا مآل (دُنیا کو چھوڑ کر) آخرت کی طرف رجوع کرنا ہے جس کا نتیجہ اس کے حق میں یہ ہوتا ہے کہ اس کی تمامتر توجہ آخرت کی طلب پر مبذول رہتی ہے، اس لئے وہ دُنیا کو اپنے قبضہ میں رکھنے یا اُس کے طلب کرنے سے بیزار ہوتا ہے اور اسکی مدح اور ذمّ سے خاموش رہتا ہے۔

اسی طرح دوسرے درجہ کا مآل اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے، اور وہ اس بات کے مطالعہ میں مشغول ہوتا ہے کہ اسباب اور ذرائع کے وجود سے پہلے اللہ تعالیٰ کا فضل ان سب سے مقدم اور ان سب کا علۃ العلل ہے، وہ اپنے اقوالِ سدیدہ، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ فاضلہ، مقاماتِ عالیہ اور احوالِ شریفہ کا مصدر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی رحمت کو جانتا ہے۔

اور یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا اور اُس کے قُرب اور کرامۃ سے بہرہ ور ہونا خالص اُسی کے فضل اور اُسی کی رحمت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اور اسی لئے یہ اُس کا مستحکم عقیدہ ہوتا ہے کہ ان تمام اُمور میں اللہ تعالیٰ ہی کو اولیت حاصل ہے، جیسے کہ ہر ایک چیز میں وہ اوّل ہے۔ اور ان تمام اُمور کا آخر بھی وہی ہے جیسے کہ ہر ایک چیز میں وہ آخر ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (۵۷ : ۳)	وہی (اللہ) اوّل ہے، وہی آخر، وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

اِس لئے جو شخص ان دونوں اسماءِ حسنیٰ (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ) کے مفہوم کے بموجب عبادت کرتا ہے، وہ "فقر" کی حقیقت سے موصوف ہُوا۔ اور جس نے اس کے اسم کے ظاہر و باطن کے بموجب بھی عبادت کی تو سمجھ لو کہ وہ عبادات کی تمام اقسام کا جامع عارف ہے۔ اب ہم آئندہ فصل میں ان اسمائے حسنیٰ کی تفصیل درج کرتے ہیں۔

فصل ۱۶

اسماءِ حسنیٰ کی تشریح

تفسیر "الاوّل"

اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے اسم پاک "الاوّل" کے مقتضا کے بموجب اس کی عبودیت یہ ہے کہ اسباب اور ذرائع پر التفات نہ کرو بلکہ اُسی کے فضل اور رحمت پر

تمہاری نظر ہو اور یہ کہ اُس نے اپنے بندہ کو بغیر کسی ذریعہ اور وسیلہ کے اپنے احسانات سے سرفراز فرمایا۔ کیونکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جب وہ معدوم محض تھا تو وہ کونسا ذریعہ یا وسیلہ تھا جس نے اُس کو اللہ تعالیٰ کے تفضّل اور احسان کا مستحق بنایا اور اُس کا مورد ٹھیرایا۔ استعداد کا سوال بیچ میں لاؤ تو وہ بھی اسی کی دی ہوئی ایک نعمت ہے، اور ازاں بعد امداد بھی اسی کے فضل کا نتیجہ ہے۔ اس کا فضل اسباب اور وسائل پر مقدّم ہے اور وسائل و اسباب کو اُسی نے اپنے فضل و کرم سے مؤثر بنایا جو کوئی اللہ تعالیٰ کے اسمِ پاک "الاوّل" کو انہی معنوں پر محمول کرتا ہے اس کو ایک خاص فقر اور خاص عبودیّت حاصل ہوتی ہے۔

"الآخر" کی تفسیر

اسمِ پاک "الآخر" کے مقتضا کے بموجب اسکی عبودیّت یہ ہے کہ آدمی اسباب اور وسائل کی طرف مائل نہ ہو۔ ان پر اعتماد نہ کرے۔ اور ان کے پاس ٹھیر نہ جائے کیونکہ یہ اسباب اور وسائل بالآخر زوال پذیر ہیں اور معدوم ہو جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدّسہ اور اُس کی صفاتِ عالیہ باقی اور دائم ہیں، اس لئے اسباب کے ساتھ تعلّق پیدا کرنا ایک زوال پذیر اور معدوم ہونے والی چیز سے تعلّق پیدا کرنا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا تعلّق حیّ لایموت کا تعلّق ہے اور جو شخص اس کے ساتھ رابطہ پیدا کرے، وہ اس قابل ہے کہ اس کا تعلّق دائمی اور غیر منقطع ہو۔

ایک عارف جس طرح اُس کو "اوّل" اور تمام اسباب اور وسائل پر مقدّم سمجھتا ہے، اسی طرح اس کو "آخر" اور باقی سمجھتا ہے۔ یعنی یہ کہ تمام اسباب اور وسائل کے زوال اور فنا کے بعد وہ باقی رہیگا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (قصص)	ہر ایک چیز فانی ہے مگر صرف ایک ذاتِ خدا باقی رہیگی ۔

اوّل و آخر کی عبودیّت

اِن دونو اسماءِ حسنیٰ کی عبودیّت پر غور کرو ۔ وہ یہ کہ اُن کے مفہوم کا مقتضاء یہ ہے کہ انسان صحیح طور پر (حقیقت میں) فقط ایک اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور ہمیشہ کے لئے اُسی کا محتاج ہے ۔ احسان کی ابتدا اُسی سے ہوئی، جبکہ اسباب اور وسائل کا وجود تک نہیں تھا ۔ اور تمام وسائل و اسباب کا منتہیٰ وہی ہے ۔ اس لئے وہ ہر ایک چیز کا اوّل اور اُس کا آخر ہے ۔ جیسے کہ وہ ہر ایک چیز کا خالق اور اُس کی تربیت کرنے والا ہے ۔ اور وہی ہر ایک چیز کا معبود ہے جس کے بغیر کسی کو کمال، صلاحیت، کامیابی اور سعادت حاصل نہیں ہو سکتی ۔

وہ اوّل ہے جس سے تمام مخلوقات کی ابتدا ہوئی، اور وہی آخر ہے جس پر تمام عبودیتوں اور ہر ایک قسم کی محبت اور عقیدت مندی کی انتہا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کوئی چیز نہیں جو مقصود اور معبود ہو ۔ جیساکہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں جو خالق اور موجد ہو ۔ ایک ہی ذاتِ مقدسہ ہے جس کی صفتِ خلق اور ایجاد ہے ۔ جس طرح تم نے اُسکو بغیر کسی دوسرے کی شرکت کے خالق اور موجد مان لیا ہے، اسی طرح اُسکو یگانہ معبود سمجھو اور کسی کو لوازمِ الوہیت میں اس کا شریک مت ٹھیراؤ تاکہ تمہاری عبودیت صحیح ہو جائے ۔ اور اپنی محبت اور عقیدت اور نیازمندی کو اُسی پر ختم کر دو تاکہ دونو اسماءِ حسنےٰ اوّل اور آخر کی عبودیّت تم کو حاصل ہو ۔

اکثر لوگوں نے اسمِ پاک "اوّل" کے مقتضاء کے بموجب اسکی عبودیّت پر

اکتفا کی، لیکن شان اس میں ہے کہ تم اسم پاک "آخر" کے مقتضا کے بموجب اُس کی عبودیت اختیار کرو۔ خدائے تعالیٰ کے رسولوں اور اُنکے پیروؤں کی یہی عبودیت ہے۔ اُس کی ربوبیّت تمام عالموں کو شامل ہے۔ (کیونکہ اُس کی صفت رب العالمین ہے) لیکن اُس کی الوہیّت کو صحیح طور پر صرف پیغمبروں نے ہی پہچانا۔

تفسیر اسم "ظاہر"

اسم "ظاہر" کے مطابق عبودیت وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: "اَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ" جب آدمی کو یقین ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کو ہر ایک چیز پر علوِّ مطلق حاصل ہے اور کوئی چیز اُس کے اوپر ہرگز نہیں ہے بلکہ وہی اپنے بندوں کے اوپر اُن پر غالب ہے۔ آسمان سے زمین تک تمام امور کا انصرام فرماتا ہے اور پھر اُسکی طرف عروج فرماتا ہے۔ اُسی کی طرف پاکیزہ کلمات کا صعود ہوتا رہتا ہے اور نیک اعمال اُن کلماتِ طیّبہ کو بلندی بخشنے کا موجب ہوتے ہیں۔ اس بات کا یقین کرتے ہوئے اُس کے قصد اور ارادہ کے لئے ایک قبلہ مقرر ہوجاتا ہے۔ معبودیّت کیلئے اُسکو رب مل جاتا ہے اور وہ ایک اللہ کو اپنی توجّہ کا مرکز بناتا ہے۔

اعتقاد حلول و اتحاد

برخلاف اِس کے ایک ایسا شخص جو نہیں جانتا کہ اُس کا رب کہاں ہے اُس کا قلب پریشان ہوتا ہے، اور وہ نہیں جانتا کہ کس کو اپنی توجّہ کا مرکز ٹھیرائے۔ ایسا شخص جب سلوک اور تالّہ اختیار کرتا ہے تو اُس کا قلب کسی ایسے خدا کو ڈھونڈتا ہے جس سے وہ تسکین حاصل کرے اور اُسکو اپنی

توجہ کا مرکز بنائے۔ لیکن اس کا اعتقاد تو یہ ہوتا ہے کہ عرش کے اوپر عدم ہی عدم ہے اور عالم کے اوپر کوئی معبود نہیں ہے جس کیلئے نماز پڑھی جائے اور اُس کے سامنے جبینِ نیاز زمین پر رگڑا جائے۔ اُس کے نزدیک عرش کے اوپر کوئی ایسی ذاتِ مقدسہ نہیں جس کے پاس پاکیزہ کلمات اور اعمالِ صالحہ صعود کرتے ہیں۔ ان حالات میں اُس کا قلب تمام کائنات میں ایک چکر لگاتا ہے جس کا لازم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حلول اور اتحاد کے عقاید باطلہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور اُس کا قلب ایک ایسے وجود کے ساتھ تعلق اختیار کر لیتا ہے جو تمام موجودات میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ اور وہ اپنے معبود کی بجائے وہ اُسی وجود ساری کو اپنا معبود ٹھیرا لیتا ہے اور اُس کا زعمِ باطل یہ ہوتا ہے کہ وہ واصل بحقیقت ہو گیا، حالانکہ وہ اپنے جیسی مخلوق کے ربقۂ عبودیت میں گرفتار ہوتا ہے، اور اُس کا خدا اُسکے اپنے ہی خیال کا تراشیدہ بُت ہوتا ہے جس کو وہ خدا اور معبود سمجھ رہا ہے، لیکن رسولوں کا خدا اُس کے ان تمام اوہام سے بالاتر ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا۔

(۱۰: ۳، ۴)

بیشک تمہارا خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، جسکے بعد وہ عرش پر مستقر ہو گیا اور تمام اُمور کی تدبیر کرنے لگا کوئی بھی اسکی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکتا۔ یہی تمہارا تربیت کرنے والا خدا ہے، اس لئے تم اُسی کی عبادت کرو۔ کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ اسی کی طرف تم سب نے رجوع کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی واضح تعریف

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ ذٰلِکَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ۔ الآیہ (۳۲: ۴ تا ۶)	خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان سب کچھ چھ دن میں پیدا کیا، جس کے بعد وہ عرش پر مستقر ہو گیا۔ اُس کے بغیر تمہارے لئے کوئی کارساز اور شفیع نہیں ہے، کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ آسمان سے زمین تک وہی سب اُمور کی تدبیر فرماتا ہے اور پھر وہ (انصرام کی اطلاع یا انصرام دینے والا فرشتہ) ایک ایسے دن میں اسکی طرف عروج کرتا ہے، جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے بموجب پورے ایک ہزار سال ہے۔ یہی خدا تو ہے جو ظاہر اور باطن سب کو جانتا ہے۔ الخ

اِن آیات میں اور کلام مجید کے دیگر مقامات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اس قدر واضح الفاظ میں اپنی تعریف فرمائی ہے کہ صرف وہی شخص اُسکا انکار کر سکتا ہے جو سرے سے خدا کا منکر ہو، اگرچہ اپنے پندارِ باطل میں وہ یہی سمجھ رہا ہو کہ وہ خدا کا قائل ہے۔

اوصافِ اسمِ "ظاہر"

الغرض اللہ تعالیٰ کے اسمِ پاک "ظاہر" کے مفہوم کے مطابق تعبدا ختیار کرنا قلب کے لئے جمعیت کا باعث ہوتا ہے جس کی بدولت اسکی توجہ ایک مرکز پر مجتمع رہتی ہے۔ اُس کے لئے ایک جائے پناہ اور حاجت روا ہوتا ہے جس کی طرف وہ اپنے حوائج کیلئے قصد کرتا ہے اور اُس کی پناہ لیتا ہے، اور جب یہ بات اُس کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور وہ اپنے رب تعالیٰ کو اسمِ "ظاہر" کے مفہوم

سے پہچان لیتا ہے تو اُس کی عبودیّت میں استقامت پیدا ہو جاتی ہے اور اسکو ایک مضبوط جائے پناہ مل جاتی ہے۔

تفسیر اسم "باطن"

اسم پاک "باطن" کے مقتضا کے بموجب عبودیّت اختیار کرنا ایک ایسا امر ہے جسکی حقیقت کا اظہار کرنے سے عبارت قاصر ہے اور زبان اس کی تعبیر سے یکسر گنگ ہے۔ کیونکہ یہاں پر ایک ایسی معرفت کی ضرورت ہے جو تعطیل کی آمیزشوں سے مبرّا ہو، تشبیہ کی آلودگیوں سے پاک ہو اور حلول اور اتحاد کی نجاست کے اثرات اس میں شامل نہ ہوئے ہوں۔ اس مطلب کو ادا کرنے کیلئے صاف اور واضح عبارت ہونی چاہیئے اور ساتھ ہی فطرتِ سلیم اور صحیح مذاق کی ضرورت ہے جس کے لئے یہ تمام اسباب جمع ہو جائیں وہ اسم پاک "باطن" کے معنی سمجھ سکتا ہے اور اُس کے لئے ممکن ہے کہ وہ اسم مذکور کے مفہوم کے مطابق عبودیت اختیار کرے۔

مزلّة الاقدام

لیکن یہ ایک ایسا مقام ہے، جہاں پر بہتوں کے پاؤں ڈگمگائے اور بہتوں کی سمجھ پر پتھر پڑ گئے۔ زندیقوں نے صدیقوں کی زبان سے گفتگو کی اور نصاریٰ کے ہم عقیدہ بھائیوں اور حنفاء مخلصین کے عقاید میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ کیونکہ اس کی حقیقت عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ حق اور باطل بمشکل تمیز ہو سکتی ہے اور مفہوم ذہنی اور موجود خارجی آپس میں خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ البتہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حق پہچاننے کی بصیرت بخشی ہو اُس کو ہدایت اور ضلالت میں تمیز کرنے کیلئے نور عطا کیا ہو، غلطیوں کا معلوم کرنا اس کیلئے آسان کر دیا ہو اور مذاہب مختلفہ کے اسباب اختلاف پر اس کو اطلاع دی ہو اس کے لئے ممکن ہے کہ اس مزلّة الاقدام میں اس کا پاؤں نہ پھسلنے پائے۔ اور وہ سلامتی کے ساتھ اس پار

وادی کو عبور کرے۔ فرمایا:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ)	یہ تو اللہ ہی کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اسمِ باطن کے تعبّد کا دروازہ

اِس معرفت اور تعبّد کا دروازہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کے تمام عالم پر محیط ہونے کا علم حاصل ہو، اور یہ کہ تمام عوالم اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اُس کے ہاتھ میں ایک رائی کے دانے کے برابر ہیں جو انسان کی ہتیلی پر پڑا ہو۔ قال اللہ عزو جلّ:

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ۔ (۱۷ : ۶۰)	جبکہ ہم نے تم سے کہ دیا کہ تمہارے ربّ نے تمام لوگوں پر احاطہ کیا ہوا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ۔ (۸۵ : ۲۰)	اور اللہ تعالیٰ اُن کے اوپر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

عَلِیّ اور عَظِیْم کا تعلق

اللہ تعالیٰ کے کلامِ پاک میں اکثر عَلِیّ اور عَظِیْم اسماءِ حسنیٰ ایک ساتھ آتے ہیں جن میں سے اوّل الذکر علوّ پر دال ہے جو اس کے اسمِ ظاہر کے معنوں کے مرادف ہے اور یہ کہ کوئی چیز اس کے اُوپر نہیں ہے۔ دُوسرا اسمِ پاک اُسکی عظمت پر دال ہے جس کے معنی احاطہ کے ہیں اور یہ کہ اس سے نزدیک تر کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ (۲ : ۲۵۵)	آسمانوں اور زمین کی نگہبانی اس پر بوجھ نہیں ہے اور وہ علوّ اور عظمت والا ہے۔

دُوسری جگہ پر آتا ہے:

اور وہ علو اور کبریائی والا ہے	وَھُوَالْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ۔ ( )

ایک تیسری جگہ ہے:

مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے، اس لیے جس طرف بھی تم رُخ کرو، ادھر تم کو اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ (سامنے) ملیگی۔ بیشک اللہ تعالیٰ فراخی والا اور جاننے والا ہے۔	وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (۲ : ۱۱۵)

قُرب کی دلیل

جس طرح اللہ تعالیٰ کو باعتبار اپنی ذاتِ مقدس کے اپنی مخلوق پر عُلو حاصل ہے، اس لئے اُس کے اوپر کوئی چیز نہیں ہے، اسی طرح وہ باعتبار اپنی ذاتِ مقدس کے باطن ہے اور اس سے نزدیک تر کوئی چیز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہر ایک چیز کی اپنی ذات سے بھی زیادہ نزدیک تر ہے۔ کیونکہ کوئی چیز اپنی ذات پر محیط نہیں ہوسکتی بلکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر محیط ہے، اور ہر ایک چیز اُس کے قبضہ میں ہے، حالانکہ کوئی چیز اپنی ذات کے قبضہ میں نہیں۔

قُربِ خاص کا ذکر

قرب کا یہ مفہوم جو مذکور ہوا عوام بھی سمجھ سکتے ہیں، لیکن جس قرب کا قرآن اور حدیث میں ذکر ہے وہ ایک خاص قسم کا قُرب ہے جو اُسکی عبادت کرنیوالوں اور اُس سے دُعا اور درخواست کرنے والوں کو حاصل ہوتا ہے، اور وہ اُسکے اسم پاک "باطن" کے مقتضاء کے بموجب عبودیت اختیار کرنے کا نتیجہ ہے فرمایا:

جب میرے بندے میری بابت تم سے دریافت کریں تو تم اُن سے کہدو کہ بیشک میں نزدیک	وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا

دَعَانِ۔ (۲ : ۱۸۶) | ہوں۔ دعا کرنیوالا جب بھی مجھے پکارتا ہے تو میں اُسکی درخواست کو قبول کرتا ہوں۔

اِس آیت میں وہ قرب مذکور ہے جو داعی کو اپنے رب سے حاصل ہوتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (۷ : ۵۶) | اور بیم واُمید کے محرّکات سے تحریک پاکر اسکو پکارو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوکاروں سے نزدیک ہے۔

مبتدا کے مؤنث ہونے کے باوجود قُرب کے لفظ کو جو اُس کی خبر ہے، مذکر استعمال کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود محسنین کے قریب ہے۔ بالفاظِ دیگر آیت کریمہ کے یہ معنی ہیں کہ اِنَّ اللّٰهَ بِرَحْمَتِهٖ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ مع اپنی رحمت کے محسنین کے قریب ہے)۔

اوقاتِ قُربِ خداوندی

صحیح حدیث میں وارد ہے: آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "انسان کو سب سے زیادہ قُرب اپنے رب سے اُس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ سجدے میں سرنگوں پڑا ہو۔" "انسان کو میانہ شب میں اپنے رب کے ساتھ سب سے بڑھ کر قُرب حاصل ہوتا ہے۔" اِن دونو حالتوں کا قُرب ایک خاص قسم کا قُرب ہے جو احاطہ والے قُرب سے مُغایر ہے۔

قُرب کی مثال

ابو موسیٰ اشعری رض کی روایت سے صحاح میں ایک حدیث ہے کہ صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک سفر پیش آیا اور اُنہوں نے جابجا تکبیر کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا: "لوگو! اپنے آپ کو

تکلیف میں مت ڈالو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو، بیشک جس کو تم پکارتے ہو، وہ سُننے والا اور تم سے قریب ہے، حتیٰ کہ تمہاری سواری کے اونٹ کی گردن سے بھی قریب ہے۔

اِس حدیث میں اُس قُرب کا ذکر ہے جو داعی اور ذاکر کو اپنے ربّ تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے۔ حدیث کا ملخص یہ ہے کہ جبکہ وہ تم سے قریب ہے اور تمہاری پست آواز کو بھی ویسا ہی سُنتا ہے جیساکہ تمہاری بلند آواز کو سُنتا ہے، تو ایسی حالت میں آواز بلند کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

توحیدِ شُہودی

صُوفیہ کی شطحیات

اللہ تعالیٰ کا قُرب محبّت کے لوازم میں سے ہے اور جتنی محبت زیادہ ہوگی اُتنا ہی قُرب زیادہ ہوگا۔ اور بعض اوقات محبّ صادق کے دل پر اپنے محبوب کی محبّت اس قدر غالب آجاتی ہے کہ کسی دوسری چیز کے لیے جگہ باقی نہیں رہتی، اور اِس غلبۂ محبت میں اُس کو یہ حالت پیش آتی ہے کہ جدھر دیکھتا ہے اسکو اپنے محبوب کی تصویر نظر آتی ہے گویا وہ اُسکو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اِس حالت میں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت سے بے بہرہ ہے اور اُس کو اِس بات کا کچھ علم نہیں کہ کونسے اوصاف اللہ تعالیٰ سے منسوب کیے جا سکتے ہیں اور وہ کونسے اوصاف ہیں جن سے اُسکی تنزیہ واجب ہے تو کچھ شک نہیں کہ

وہ حلول کے دروازے پر جا کھڑا ہوگا، جس کا سبب اُسکی قوتِ تمیز کی کمزوری، جذبۂ محبت کا غلبہ اور محبوب کے تصور کا دل کے اطراف کو بالکل گھیر لینا ہوتا ہے، جبکہ سوائے محبوب کے اس کو کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی۔ ایسی ہی حالتوں میں اس قسم کے الفاظ زبان پر جاری ہوتے ہیں سبحانی ما اعظم شانی اور ما فی جبتی الا اللہ وغیرہ وغیرہ۔

یہ اس قسم کی شطحیات ہیں جن کی بابت زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے ان کا عقلی احساس اور قوتِ تمیز زائل ہو جانے کی وجہ سے ان کو معذور تصور کیا جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردے۔

مُحبِّ صادق

الغرض اس اسم پاک ("باطن") کے ساتھ تعبد اختیار کرنا خالص محبت کا تعبد ہے اور جس کی بنا اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز سے حتیٰ کہ اسکی اپنی جان سے بھی زیادہ قریب تر ہے۔ بایں ہمہ وہ "ظاہر" ہے جسکے اوپر کوئی چیز نہیں۔ لیکن جس کا ذہن اس قدر کثیف اور بھدا ہے اور وہ اس قدر غلیظ الطبع واقع ہوا ہے کہ وہ اس حقیقت کا تصور ہی نہیں کرسکتا، تو اُسکے لئے بہتر ہوگا کہ سلوک کے کٹھن منازل طے کرنے کا خیال ترک کرکے کوئی ایسا دوسرا کام اختیار کرے جو اُس کے مناسب حال ہو ؎

اذا لم تستطع امرًا فدعہ وجاوزہ الی ما تستطیع

ترجمہ: جب کوئی کام کرنے کی استطاعت نہ ہو تو اُسے چھوڑ کر ایسا کام اختیار کرنا چاہئے جو اپنے حسب حال ہو۔

کیونکہ یہ حالت کسی ایسے شخص کو حاصل نہیں ہوسکتی جس کو قُرب محبت کا ذوق حاصل نہیں۔ اور وہ یہ نہیں جانتا کہ محبوب کو اپنے سچے مُحب کے ساتھ غایۃ

درجے کا قرب حاصل ہوتا ہے' اگرچہ دونو کے درمیان بعید ترین مسافت ہو خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ طرفین سے ایک جیسی لگی ہوئی ہو۔ اور وہ محبت اسقدر خالص ہو کہ اغراض، علل اور شوائب کی آمیزش سے بالکل پاک ہو۔

محبوب کا تصوّر

اس میں ذرہ بھی شک مت کرو کہ محبِ صادق کے دل پر بعض اوقات محبوب کے تصوّر کا اسقدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ غیر کا تصور تک اُس کے دل سے نکلجاتا ہے اور اُس کے نفس میں ایک ایسے تجرّد کی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہر وقت موجود پاتا ہے۔ اس حالت میں اُس کا دل محبوب کے وجود علمی سے معمور ہوتا ہے اور اُس کی زبان پر اس کا وجود لفظی ہوتا ہے۔ یہ شہود اُس پر یہاں تک غالب آجاتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے غائب ہو جاتا اور یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اُس کے محبوب کا وجود خارجی اس کی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہے' کیونکہ قلب اور روح کی کیفیت جب غالب ہوتی ہے تو خارج میں بھی اسکے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ اور تصور علمی اگرچہ حقیقتِ خارجیہ کے مطابق ہوتا ہے' تاہم ان میں مغائرت ضرور ہوتی ہے۔ تصور علمی کی جگہ قلب ہے اور حقیقتِ خارجیہ کا وجود خارج میں ہوتا ہے۔

فصل ۱۸

اسماء اربعہ کے معانی پر تبصرہ

علم اور معرفت کا رُکن

الغرض ان چاروں اسماء حسنیٰ "اوّل، آخر، ظاہر، باطن" کے مفہوم کا پہچاننا

علم اور معرفت کا رُکن ہے، اور ان کے حقائق اس قابل ہیں کہ انسان اپنے قوائے ذہنیہ کی تمام تر طاقت ان کے سمجھنے پر صرف کرے۔ یہ بھی جان لو کہ خود تمہارے بلکہ ہر ایک چیز کے لیئے اوّل اور آخر، ظاہر اور باطن ہے یہاں تک کہ وہ خطرہ اور وسوسہ جو دل میں پیدا ہوتا ہے اور انسان کا ایک ایک لمحہ اور اُسکا ایک ایک سانس۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی اوّلیت ہر ایک چیز کی اوّلیت پر سابق اور مقدم ہے، اور اُسکی آخریت ہر ایک دوسری چیز کی آخریت کے بعد ثابت اور باقی رہتی ہے۔ اُسکی ظاہریت اُس کے علوّ اور اسکی فوقیت کے مرادف ہے۔

ظہور کے معنی (جس سے اسم "ظاہر" مشتق ہوا ہے) علوّ کے مقتضی ہیں اور کسی چیز کا ظاہر وہ ہوتا ہے، جو اسکے اوپر واقع ہو اور اس کے باطن پر محیط ہو۔

اللہ تعالیٰ کے باطن ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر ایک چیز پر محیط ہے۔ (اور اس لیئے اس کے نزدیک ہے) یہاں تک کہ وہ کسی چیز کی اپنی ذات سے بھی زیادہ نزدیک تر ہے، اور یہ قرب اُس قرب سے مغائر ہے جو مُحبِ صادق کو اپنے محبوب سے حاصل ہوتا ہے، دونو کا رنگ جداگانہ ہے۔

احاطۂ زمانیہ اور مکانیہ

ان اسمائے چہارگانہ کا مدار احاطہ پر ہے جس کی دو قسمیں ہیں: ایک احاطۂ زمانیہ اور دوسرا مکانیہ۔ چنانچہ اس کی اوّلیت اور آخریت کا احاطہ قبل اور بعد پر ہے، کیونکہ ہر ایک سابق کی انتہا اس کی اوّلیت پر ہے اور ہر ایک چیز کی انتہا اُسکی آخریت پر ہے۔ اور اس کی (اللہ تعالیٰ کی) اولیت اور آخریت نے تمام اوائل اور اواخر کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اسی طرح اُسکی ظاہریت او باطنیت ہر ایک چیز پر محیط ہے۔ کوئی ظاہر چیز نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کو فوقیت حاصل نہ ہو اور کوئی ایسی باطن چیز نہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس نزدیک تر

نہ ہو۔

بالفاظ دیگر اس کی اوّلیت اِس کے قدیم اور ازلی ہونے کے مرادف ہے
اور آخریت کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہمیشہ دائم اور باقی ہے۔ ظاہر کا مفہوم اسکے
علوّ اور عظمت کو ظاہر کرتا ہے اور باطن سے اسکا قُرب اور نزدیکی معلوم ہوتی
ہے، یہاں تک کہ اُس کے حق میں ایک آسمان دوسرے آسمان کو اور ایک زمین
کسی دوسری زمین کو ڈھانک لینے کا موجب نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی کوئی
ظاہر باطن کے لئے حجاب اور حائل ہے، اس کے حق میں ظاہر اور باطن، غیب اور
شہادت ایک ہے، بعید اور قریب میں کوئی فرق نہیں اور علانیہ اور پوشیدہ دونو
کا حکم یکساں ہے۔

فصل ۱۹

اسماءِ چہارگانہ کا تعبُّد

دوگونہ مراتب

یہ اسمارِ چہارگانہ توحید کے ارکان پر مشتمل ہیں، وہ ہمیشہ سے اوّل اور
آخر اور ظاہر اور باطن رہا ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ ان اسمار کے مطابق عبودیت
اختیار کرنے کے دو مرتبے ہیں :

ایک یہ کہ آدمی ہر ایک چیز میں اُسکی اوّلیت و آخریت اور ظہور و بطون
یعنی اسکی فوقیت اور اس کے قرب کا مشاہدہ کرے، جس کا قُرب ہر ایک چیز سے
قریب تر ہے، کیونکہ مخلوق کے حق میں ایک چیز دوسری چیز کیلئے حجاب ہو سکتی

ہے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نزدیک تر نہیں ہے اس لئے اسکے حق میں کوئی چیز دوسری چیز کیلئے حجاب نہیں ہوسکتی۔ اچھی طرح سمجھ لو۔

دوسرا مرتبہ تعبُّد کا یہ ہے کہ ہر ایک اسم کے ساتھ اسی کے مقتضاء کے موافق برتاؤ کرے۔

"الاوّل" کے تعبّد کی حقیقت

اسکی اوّلیت سے تو یہ برتاؤ کرے (جیسا کہ پہلے بھی مفصل مذکور ہے) کہ تمام اسباب اور وسائل پر اس کے فضل اور احسان کو مقدم سمجھے۔ کسی دوسری چیز کی طرف التفات نہ کرے اور نہ ہی کسی دوسری چیز پر اعتماد اور توکّل کرے۔

کیا کبھی تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ ازل میں جبکہ تم کسی کی یاد میں نہیں تھے بلکہ تمہاری حیثیت معدوم محض کی تھی، اُس وقت کس نے تمہاری سفارش کی جس کی بدولت اسقدر احسانات کا تم پر فیضان کیا گیا؟ تمہیں اسلام کی توفیق دی اور ایمان سے تمہیں بہرہ ور فرمایا۔ اپنی جیسی مخلوق کی عبادت سے تم کو بچایا۔ غیر کا ربقۂ عبودیّت گردن میں ڈالنے اور اسکی غلامی سے تمکو نجات دی، اور تمام ماسوا سے تمہاری توجّہ پھیر کر تمہارے دل کو اپنی طرف متوجہ کیا؟

انعامِ الٰہی

اب جبکہ بغیر تمہاری درخواست اور بغیر کسی کی سفارش کے تمہیں ایسی جلیل القدر نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے تو تم کو چاہیئے کہ نہایت تضرع کے ساتھ اسکی بارگاہ میں التجا کیا کرو کہ جن نعمتوں کی تمہارے حق میں ابتدا فرمائی ہے، ان کو کامل فرمانے کی عنایت کرے، اپنی ہمّت کو اس سے بلند رکھو کہ کمینہ اور ادنٰی چیزوں کی طلب میں رہو، یا رسوم اور آثار کی طرف مائل ہوجاؤ، یا اپنے اختیار پر تمہاری نظر ہو۔ تمہارا مطمحِ نظر مطالبِ عالیہ کا حصول ہونا چاہیئے، جن کا پانا بغیر اللہ تعالیٰ

کی اطاعت کے ناممکن ہے۔ کیونکہ اس نے اس بات کا فیصلہ فرمایا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اسی کی اطاعت سے حاصل ہوگا۔

رضاجوئی کا نتیجہ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کیلئے ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جو اُسی کے ارادے اور مرضی کے مطابق ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کی توقع سے بڑھ کر حُسنِ سلوک فرماتا ہے جو کوئی اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف منعطف کرے وہ دُور سے اس کا استقبال فرماتا ہے۔ (سہ

گر یک قدم از راہِ صفا سوئے من آئی من دہ قدم از راہِ وفا پیشِ تو آیم)

اور جو شخص اُسی کی توفیق سے تصرف کرتا ہے اس کے سامنے لوہا بھی موم ہو جاتا ہے، جو شخص اُسی کیلئے کسی بات کو ترک کرتا ہے، اسکو فوق المزید احسانات سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص اُسکی رضا حاصل کرنا چاہے اس کو اُس کے ارادۂ دینیہ کا تابع ہو جانا چاہیئے۔

تجریدِ ہمّت

اے جویانِ رضاءِ الٰہی! تم اپنی عالی ہمتی سے اپنی محبت اور اپنے تقرب کو (طلبِ قُرب کو) اُس ذاتِ پاک تک محدود رکھو، جس نے ہر ایک سبب اور ہر ایک ذریعہ کے استمداد سے پیشتر تم کو اپنے فضل وکرم اور احسان کا مورد بنایا ہے، بلکہ بعد میں جو اسباب اور وسائل تمہارے حق میں مزید احسان کا موجب ہوئے، ان کا موجد بھی تو وہی ہے۔ اُسی نے تمہارے لئے اسباب مُہیا کئے اور اُسی نے تمہاری کامیابی کے راستہ سے موانع دُور کئے۔ اس لئے تم کو فقط اُسی پر توکل کرنا چاہیئے، اُسی کے ساتھ مُعاملہ رکھنا چاہیئے، اُسی کی رضامندی کا جویاں رہنا چاہیئے اور اُسی کی محبت اور خوشنودی کو کعبۂ دل بنا لینا چاہیئے، جس کو لوان

میں تم شب و روز مشغول رہو۔

اگر خدائے تعالیٰ تم کو اسی حالت میں دیکھ پائے تو سمجھ لو کہ اس سے بڑھکر تمہارے لئے کوئی سعادت اور کامیابی نہیں ہے۔ اور اس کا نتیجہ یقیناً یہ ہوگا کہ وہ تم پر اپنے احسانات کی بارش فرمائیگا۔ اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منك الجد سبحانك وبحمدك۔

(ترجمہ: اے اللہ! جو چیز تو عطا فرمائے، اُسے کوئی چھیننے والا نہیں اور جو تو چھین لے، وہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ اور ذوالجدّ نافع نہیں ہے، تجھی کے ساتھ جد وابستہ ہے، تو پاک ہے اور تیرے لئے ہی تعریف سزاوار ہے)۔

اسمِ پاک "الآخر" کا تعبّد

اسم "اوّل" کے تعبد کی تحصیل کے بعد اسم "آخر" کے ساتھ تعبّد اختیار کرو۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا غایت مطلوب ٹھیراؤ، جس کو چھوڑکر تمہارے لئے اور کوئی غایت اور مطلوب نہیں ہے۔ اور جس طرح تمام اواخر کی انتہا اُس پر ہے۔ اُسی طرح تم اسی کو اپنا منتہیٰ ٹھیراؤ۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی۔ (۴۲:۵۳)	اور بیشک تمہارے رب تعالیٰ پر ہر ایک چیز کی انتہا ہے۔

تمام اسباب اور غایات کا منتہیٰ وہی ہے، جیسا کہ پہلے بھی اس پر تنبیہ کی جا چکی ہے۔ نیز اسم ظاہر کے ساتھ تعبّد اختیار کرنے کی بھی تفصیل کردی گئی ہے۔

اسمِ پاک "باطن" کا تعبّد

اسمِ باطن کے ساتھ تعبُّد کی حقیقت یہ ہے کہ جب تم کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ تمام عوالم پر محیط ہے، وہ اپنے بندوں سے قریب ہے، اور اشیاء کا باطن اور اُن کی اندرونی کیفیت اس کے سامنے مشہود کا حکم رکھتی ہے۔ جب

ان باتوں کے متعلق تمہارا یقین بمنزلہ مشاہدہ کے ہو جائے تو پھر تم اسی مشاہدہ کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرو۔ اور اپنے باطن کی تطہیر کرو۔ کیونکہ باطن اور ظاہر اس کے نزدیک ایک ہے۔ اور غیب اور شہادت میں باعتبار ظہور اور وضوح کے اس کے نزدیک کچھ بھی فرق نہیں۔

اسماءِ اربعہ کے مفہوم کی جامعیت

اب تم خود دیکھ لو کہ ان اسماء اربعہ کا مفہوم کس قدر وسیع ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی عبودیت کے اقسام پر کس قدر حاوی ہے۔ اسی مقام پر سالک کا مشاہدہ اپنے خالق کے فضل وکرم اور احسان تک محدود رہتا ہے، اور وہ ہر ایک بات کو جو اچھی ہو، اسی کا نتیجہ سمجھتا ہے، اور اسی کی توفیق سے اسکو منسوب کرتا ہے۔ اور وہ تمام اشیاء جن پر پہلے اس کا بھروسا رہتا تھا، یا جنکے انتساب پر اُس کو فخر ہوتا تھا، یا جن کو اُس نے اپنے احتیاج کے دن کا ذخیرہ فرض کیا ہُوا تھا، وہ سب اُس کی نظر سے غائب ہو کر فقط اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اس کی نگاہ جم جاتی ہے۔ کیونکہ اسباب ونتائج پر نظر رکھنا اور اُن کے حقائق اور اصول سے غفلت اختیار کرنا سراسر کج نظری اور کوتاہ بینی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ انسان کی طبعی خواہش، ہوائے نفس اور اس کے فطری ظلم اور جہل کا مقتضا بھی یہی ہے۔ فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (۳۳:۷۲)	بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

جس شخص کے آئینۂ بصیرت سے اللہ تعالیٰ نے زنگ دُور کر دیا، اُس کی فطرت کی تکمیل فرمائی، اور اُس کو ہر ایک چیز کے مبادی اور غایات کی حقیقت اور ہر ایک چیز کے مالہٗ وما علیہ پر اطلاع بخشی اور اپنے (سابقہ) علوم واعمال اور اذواق واحوال سے اپنے آپ کو تہی دست سمجھ لیتا ہے، علم اور عمل کے انتساب

سے استغفار کرنے لگتا ہے، اور اس غلط فہمی کی معافی چاہتا ہے کہ وہ ان کمالات کو اپنا کمال سمجھتا رہا، اور اس بات سے غافل رہا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور صرف اُسی کے فضل وکرم کا نتیجہ تھا، اور یہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی سبب اور وسیلہ کے اُس کو یہ چیزیں عطا کر کے سرفراز فرمایا۔

فصل ۲۰

فقر کے دُوسرے درجہ کا اجر و ثواب

مرضِ خُود بینی سے نجات

الغرض فقر کے اِس دوسرے درجہ میں آدمی کو اللہ تعالیٰ کا فضل ہی فضل نظر آتا ہے۔ اِس درجہ کے فقیر کو حصولِ مراتب کے اِس مشاہدہ کی برکت سے جو فقر کے درجۂ اوسط (دُوسرے درجہ) کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ دوگنا ثواب عطا فرماتا ہے۔ ایک ثواب تو اس لئے کہ وہ اپنے اعمال کو اہمیت دینے اور اُس کی وجہ سے اپنے آپ کو قابلِ تعریف سمجھنے کی بلا سے نجات پاتا ہے جس میں وہ پہلے مُبتلا رہتا تھا، اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے مشاہدہ سے محروم تھا۔

دوسرا ثواب یہ کہ اُس کو اِس بات کی توفیق ملتی ہے کہ وہ اپنے اذواق واحوال کو بنظرِ خود بینی ملاحظہ کرنا چھوڑ دے۔ کیونکہ ذوق اور حال کا محل آدمی کا سینہ ہے، اور قلب اور نفس کا مسکن بھی سینہ ہے۔ اِس لئے جب آدمی کے سینہ میں قلب کے لئے کوئی عطا نازل ہوتی ہے تو اُس کا نفس بھی اِس عطا

میں سے اپنا حصہ لینے کے لئے اُچھل پڑتا ہے جس پر وہ نازاں ہوتا اور اپنے گیت گانے لگتا ہے، اور خود بینی کی مرض میں مُبتلا ہوکر انانیت (ہمچو من دیگرے نیست) کی آواز بلند کرتا ہے، کیونکہ وہ ظالم اور جاہل ہے اور ظلم و جہل کا یہی تقاضا ہے۔

علتِ نجات

لیکن جب قلب میں اسمِ پاک "منّان" کا مفہوم جلوہ گر ہوکر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو مشاہدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ اوّلیت کا مفہوم اُس کے قلب پر استیلا پذیر ہوتا ہے تو اس کا نفس اور قلب اپنے مولائے پاک کی طرف محتاج اور نیازمند ہونے کو محسوس کرتا ہے اور وہ اس حال کو اپنی طرف منسوب کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اِس سے پہلے اُس کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے خالق پاک اور اپنے مولا کی ذات اور صفات کی عظمت کو ملحوظ رکھنے سے قاصر تھا، اُسکے فضل اور احسان کو تمام وسائل اور اسباب کا سببِ اوّلین سمجھنے کے مشاہدہ سے محجوب اور اپنے نفس کی تعظیم یعنی خود بینی میں مُبتلا تھا۔ لیکن اب اِس کی کایا پلٹ گئی اور وہ اپنے مولائے پاک کی عظمت اور اُس کے فضل کے مشاہدہ میں مستغرق ہوکر اپنی خود بینی اور خود پسندی کو بھول گیا۔ جس طرح اس درجہ کا فقیر احوال پرستی چھوڑ دیتا ہے، اُسی طرح وہ محض فضلِ ربانی کے مشاہدہ میں استغراق حاصل کرکے مقامات کو خاطر میں لانے کی نجاست سے بھی اپنے آپکو آلودہ نہیں کرتا۔

فصل ۲۱

حال اور مقام کا اصطلاحی فرق

فقر سے خروج

صوفیۂ کرام کی اصطلاح میں مقام سالک کی اُس حالت کو کہتے ہیں جو (قلب میں) راسخ، قائم، دائم اور باقی ہو (پائدار ہو) لیکن حال اُس حالت کو کہتے ہیں جو عارضی اور ناپائدار ہو۔ مقامات کو خاطر میں لانا یہ ہے کہ وہ اپنے حق میں سے کسی ایک یا ایک سے زائد مقامات پر وہ فائز ہوگیا ہے اور اس مقام سے اپنے آپ کو موصوف خیال کرے، یا اپنے آپ کو اس سے منسوب سمجھے، مثلاً یہ کہ وہ زاہد ہے، صابر ہے، متوکّل ہے، خائف اور راجی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر کوئی ان مقامات سے منسوب کیا جانا اپنا استحقاق خیال کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ فقر کے اُس درجہ سے خارج ہوگیا، جس کا بیان گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا اور ربوبیت کی معرفت سے جہالت اختیار کرکے اس نے عبودیت کو ترک کر دیا۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو سب سے پہلے ملحوظ رکھنے کی طرف رجوع کرے (جو فقر کے اس درجہ کی تعریف ہے) تو اس میں شک نہیں کہ وہ ان نجاسات میں آلودہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنے نور سے اُس کو منوّر کر دیگا۔

فصل ۲۲

فقر کا تیسرا درجہ

موجود کا ترک کرنا

فقر کا تیسرا درجہ جس کا شیخ الاسلام انصاریؒ نے ذکر کیا ہے' وہ اربابِ فقر و سلوک کے نزدیک اِن دونو اوّل الذکر درجوں پر فوقیت رکھتا ہے' اس لئے یہی درجہ اُن کا نمایتِ مطلوب ہے اور اسی درجہ کے حصول کے لئے اُنہوں نے سرگرم کوششیں کی ہیں' کیونکہ فقر کے پہلے درجہ کا مُلخص دُنیا کے عوارض سے مخلصی حاصل کرنا ہے۔ دوسرے درجہ کا ماحصل یہ ہے کہ مقامات اور احوال کو دیکھنا چھوڑ دے۔ لیکن تیسرے درجے میں سالک کو موجود کا مُلاحظہ چھوڑنا پڑتا ہے جو اُس کے لئے وجودِ حق کے مشاہدہ سے مانع اور حائل ہے۔ اس درجہ پر فائز ہونے کے بعد وہ وجودِ حادث کو اس طرح حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے قبضہ میں پاتا ہے' گویا وہ فضا کے ذرات ہیں جن کو تُند ہوا اپنی مرضی کے مطابق اُلٹتی پلٹتی رہتی ہے۔

توحید میں جلوۂ قیومیت

الغرض توحید کا کما حقہٗ جلوہ گر ہونا اس خیال کو بالکلیہ مٹا دیتا ہے کہ انسان کو بھی کسی امر میں اختیار اور استقلال حاصل ہے' یہاں تک کہ وہ اپنے ایک ادنیٰ ترین وسوسہ یا خطورِ خیال' اپنی آنکھ کی جھپک اور اپنے ایک ایک سانس کو اللہ تعالیٰ کے ارادۂ نافذہ' اُس کی مشیئتِ کاملہ اور اُسی کی تقدیر و تدبیر کے ماتحت

سمجھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ انسان کی مثال ایک گیند کی ہے جسکو قضا و قدر کے چوگان کبھی ادھر اور کبھی اُدھر پھینکتے رہتے ہیں۔ اِس کے سامنے اُس ذاتِ پاک کی قیومیت جلوہ گر ہوتی ہے جس کے ہاتھ میں خلق اور امر ہے، اور وہ جانتا ہے کہ اس صفت میں وہ یگانہ اور بے ہمتا ہے۔ یہ باتیں مجرد علم کا نتیجہ نہیں ہیں، اُن کی صحیح معرفت اُسی کو حاصل ہو سکتی ہے جو صاحب حال ہے۔ (حال اور قال میں جو فرق ہے وہ اہلِ علم و معرفت سے پوشیدہ نہیں) اور وہ بعض اوقات جلوۂ قیومیت کے مشاہدہ میں اس قدر مغلوب الحال ہوتا ہے کہ اپنے وجود تک کا احساس اس سے زائل ہو جاتا ہے۔

اہلِ تصوّف کا قطب

ایسی ہی حالت میں فقر اور اضطرار کی صحیح کیفیت اس کے نقدِ وقت ہوتی ہے اور وہ ظاہر اور باطن کے ہر ایک ذرّہ میں کامل طور پر حیّ قیّوم کا محتاج اور نیازمند ہونا مشاہدہ کرتا ہے، کیونکہ وہی اُس کا رب ہے اور وہی اُس کا آلہٗ معبُود ہے جس سے کسی حالت میں وہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہی فقر کا وہ اعلیٰ درجہ ہے جس کو اہلِ تصوّف اپنے اُصول کا قطب سمجھتے ہیں۔

فصل ۲۳

تیسرے درجہ کا حصول

دو معرفتیں

بلا شبہ یہ (تیسرا) درجہ اُس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ دو معرفتیں پہلے سے حاصل ہو چکی ہوں:

۱۔ اپنے رب تعالیٰ کی رُبوبیت اور الُوہیت کی حقیقت کا علم۔
۲۔ اپنے نفس کی حقیقت یعنی اُس کی عبودیت کی پہچان۔

اگر ان دونو معرفتوں کو ان کا حقِ عبودیت دیا جائے تو باعتبار حال اور مقام کے فقر کے اِس تیسرے درجہ سے آدمی موصوف ہو سکتا ہے، اور تب وہ ایک ایسا فقیر ہوتا ہے جو سب سے غنی تر ہے" (گو بظاہر کتنا ہی) ذلیل ہوتا ہو، لیکن اس کے برابر کوئی بھی عزیز نہیں ہوتا۔ باوجود کمزور ہونے کے اُس کی طاقت کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تنہائی میں اُس کو کامل اُنس حاصل ہوتا ہے اور وہ قبائل اور عشائر کی جمعیت اور اُن کی اعانت اور دستگیری کا محتاج نہیں رہتا۔ اس کی خنکیٔ چشم اپنے رب تعالیٰ کی محبت اور معرفت سے ہوتی ہے اس لئے سب کو اس کے ملنے اور دیکھنے سے آنکھ کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو کسی کا محتاج خیال نہیں کرتا، اس لئے اغنیاء اور ملوک تک اُس کے محتاج رہتے ہیں۔

عقیدۂ جبر اور نظامِ عبودیت

فقر کے تیسرے درجہ کا یہ حال اور مقام تب کامل ہوتا ہے جبکہ سالک کا قلب عقیدۂ جبر سے آلُودہ نہ ہو، کیونکہ اگر اس کا دل جبر کے اعتقاد سے ملوث ہے تو اُس کا نظامِ عبودیت تحلیل ہو جاتا ہے، اور اسلام کا طوق وہ اپنی گردن سے اُتار پھینکتا ہے۔ وہ اپنے تمام افعال کو اپنے رب تعالیٰ کے احکام تکوینی کے موافق ہونے کی وجہ سے طاعت اور عبادت (اور اُسکی رضامندی کا موجب) خیال کرتا ہے۔ ایسی ہی حالت میں وہ اس قسم کے اشعار گاتا ہے:-

؎ اصبحت منفعلاً لما یختارہ   منی نفعلی کلہ طاعات

ترجمہ: جو کچھ وہ چاہتا اور پسند کرتا ہے، میں تمام تر اسی کے اثر کو قبول کرنیوالا ہوں

اس لئے میرا ہر ایک فعل طاعت ہے) ۔

اگر اُس سے کہا جائے کہ بھائی خدا سے ڈرو اور اُسکی نافرمانی مت کرو۔ تو وہ جواب میں اس طرح گویا ہوتا ہے کہ میں نے اگرچہ اُس کے امر کی مخالفت کی ہے لیکن میں اس کے حکم اور ارادہ کی انقیاد اور اطاعت کر رہا ہوں ۔ اِس مشرب کا آدمی خدا کے رسولوں کی تعلیم سے بیزار ہے، جامۂ شریعت کو اُس نے اُتار پھینکا ہے اور دشمنِ خدا ابلیس لعین کا وہ سگا بھائی ہے ۔

فصل ۲۴

تیسرے درجہ میں فرضِ منصبی

مسئلۂ تقدیر کا صحیح مفہوم

اِس مقام اور مسلک پر پہنچ کر فقیر کا فرض یہ ہے کہ وہ امر اور شرع کو ملحوظ رکھے، افعال کو اپنے کسب اور اختیار سے صادر ہوتا ہوا دیکھے، اور یہ تسلیم کرے کہ امر اور نہی کا تعلق افعال کے ساتھ اسی حیثیت سے ہے ۔ (یعنی کسب اور اختیار کی حیثیت سے ہے) اور اسی لئے ان پر شرعاً اور عقلاً مدح اور ذم مترتب ہوتے ہیں، اور جزا و سزا کی بنا اسی پر ہے ۔ یہ مشاہدہ حاصل ہونے کے ساتھ ہی وہ اپنے تمام حرکات و سکنات میں اپنا کامل اضطرار ملاحظہ کرے اور یہ کہ وہ ہر ایک طرح سے اُس مقلب القلوب و مبصر الابصار کا محتاج ہے، جس کا ارادہ اور اختیار ہر ایک چیز پر نافذ اور اُسکو شامل ہے جس چیز کے ہو جانے کا وہ ارادہ فرمائے، وہی چیز واجب الوجود ہو جاتی ہے (یعنی

لغوی) اور جس کی بابت وہ ارادہ فرمائے کہ وجود میں نہ آئے وہی ممتنع الوجود ہے، جس کو وہ گمراہی میں چھوڑنا چاہے، اُسکو کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا، اور جس کو وہ ہدایت بخشے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، وہی دلوں میں ارادہ پیدا کرتا ہے اور اعضاو جوارح کو اعمال بجالانے کے لئے حرکت دیتا ہے، قلوب اور جوارح ہر ایک طرح سے اس کے مسخر اور اُس کی مشیئت کے ماتحت ہیں۔ اس کا ارادہ جیسے کہ اجرام سماویہ، میاہ واشجار اور دیگر کائنات کو حرکت دینے کا موجب ہوتا ہے، اُسی طرح انسان کے اعضاء کو تحریک دینے اور اُن سے اعمال صادر ہونے کا بھی وہی موجب ہے۔

ایک شک کا ازالہ

اس میں شک نہیں کہ ہر ایک حرکت کا ایک سبب مقتضی ہوتا ہے، لیکن اس سبب کا خالق وہی ہے۔ کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جو سبب کا خالق ہے وہی مسبب کا بھی خالق سمجھا جائیگا۔ جس نے قلب میں ایک ایسا پختہ ارادہ پیدا کیا جو کسی حرکت اختیاری اور فعل کا باعث ہوا، وہ اِن دونو مؤخر الذکر کا بھی تو خالق ہے۔ اور ارادۂ جازمہ کا بغیر کسی خالق کے خود بخود پیدا ہونا ناممکن ہے، اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر (کسی دوسرے خالق کے ذریعہ) اس ارادہ کی تخلیق ہوئی ہو۔ اور اگر بالفرض تم اس ارادہ کو کسی دوسرے ارادہ کا نتیجہ سمجھتے ہو تو اس سے تسلسل لازم آتا ہے، اس لئے کسی ایسے فاعل کو ماننا ہی پڑیگا جس نے اس ارادہ کو پیدا کیا جو فعل کا موجب ہوا ہے۔

فصل ۲۵

سچّا فقیر کون ھے؟

عقل، فطرت اور شرع کا تطابق

مسئلہ تقدیر کی یہ سمجھ حاصل ہونے پر انسان اپنے آپ کو مالک الارادت اور مصرف القلوب کا پورا محتاج سمجھ لیتا ہے۔ یہی وہ فقر صحیح ہے جو عقل اور فطرت اور شرع کے مطابق ہے، لیکن جو شخص اس کے حدود سے نکلکر کسی ایک جانب انحراف کرتا ہے، اُس کا قلب ہدایت سے ہٹ جاتا ہے اور وہ اپنے رب تعالیٰ کو جو مُلک اور ملکوت کا مالک حقیقی ہے، اس تصرف سے معطل سمجھتا ہے جو اس کو اوامر کے صادر فرمانے، احکام کی تشریع اور امر و نہی کی موافقت اور مخالفت پر ثواب اور عذاب دینے کے متعلق حاصل ہے۔

شناخت

برخلاف اس کے جو سچّا فقیر ہے اور ہر ایک لمحے میں اپنے آپ کو اُس کا محتاج سمجھتا ہے، اگر اس کو طاعت اور نیکی کی توفیق ملے یا کسی نعمت سے بہرہ ور ہو تو وہ اپنے رب تعالیٰ کا شکر گزار ہوتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور جُود و احسان سمجھتا ہے اور اس کی حمد و ثنا میں مشغول ہوتا ہے۔

تحریکِ معصیت

اگر معصیت کیلئے اس میں حرکت پیدا ہو تو وہ چیخ اُٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد خواہی کرنے لگتا ہے اور اُس کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوتے ہیں:

"اللھم انی اعوذ بك منك" (بار خدایا! میں تجھ سے تیری ہی پناہ لیتا ہوں)

یا مصرّف القلوب صرف قلبی علیٰ طاعتک ۔ (دلوں کے پھیرنے والے خدا! میرے دل کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے اور اُس پر ثابت قدمی عنایت فرما)۔

ارتکاب معصیت

اگر بالفرض وہ معصیت کا ارتکاب کر بیٹھے تو پھر اسکی چیخ پکار اُس قیدی کی طرح ہوتی ہے جس کو دشمن نے دامِ مصیبت میں اسیر کر لیا ہو، اور وہ یہ جانتا ہے کہ اُس کی آزادی ایک ہی بات پر منحصر ہے اور وہ یہ کہ اُس کا مالک اس کو چھڑا لے۔ اور اس بات کا اُس کو یقین ہوتا ہے کہ اس کے اپنے ہاتھ میں ذرہ بھر بھی اختیار نہیں، اور وہ کسی قسم کے نفع و نقصان اور موت و حیات کا مالک نہیں۔ وہ اس حالت اسیری میں اپنے ہی آقا کی مہربانیوں کا منتظر رہتا ہے جسکو آستہ رہائی بخشنے پر ہر ایک طرح کی قدرت حاصل ہے اور وہ اپنے آپ کو اس کی اعانت اور دستگیری کا سخت محتاج سمجھتا ہے اور اُسکا تمام بھروسہ اُسی پر ہوتا ہے۔

التجا بقدر ابتلاء

سہل (تستری) کا قول ہے کہ التجا انسان کی ابتلاء کے مطابق کم و بیش ہوتی ہے یعنی جس قدر ابتلاء زیادہ ہو اتنا ہی اسکو مبتلا کنندہ کی معرفت زیادہ حاصل ہوگی۔ جس کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ان الفاظ کے معنی دریافت کئے کہ اللھم انی اعوذ بک منک، اور اس کے شہود اور ذوق نے اس بات میں اس کی مساعدت کی (یعنی یہ معرفت اس کیلئے مشاہدہ ہوگی، اور اس کے حق میں ذوق اور وجدان کا حکم پیدا کیا) اور پھر اُس نے اپنے اس ذوق اور وجدان کے مطابق حقِ عبودیت ادا کیا تو بیشک وہ سچا فقیر ہے اور فقر صحیح کا دار و مدار اسی ایک کلمہ پر ہے۔

فصل ۲۶

تقدیر کا تقدیر سے دفع کرنا

مشیئت کا زبردست ہاتھ

جس نے فقرِ محمدی کے اس بستر راز کو سمجھ لیا، وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی ایک قضا کو دوسری قضا سے نجات دینے کا ذریعہ ٹھیراتا ہے، اور اپنی نازل کردہ بلا اور مصیبت کو اپنی ہی رحمت سے ٹالتا ہے، خلق اور امر کا وہی مالک ہے اور حکم اسی کے ہاتھ میں ہے، جو چاہتا ہے، کرتا ہے اور اُس کے چاہنے کے بغیر کسی بات کا ہونا ناممکن ہے، اُس کی مشیئت کو صرف اسی کی مشیئت روک سکتی ہے اور جس بات کا ہونا اور وقوع میں آنا وہ نہیں چاہتا ہے، وہ صرف اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ خود اُس کے ایسا ہونے کا ارادہ فرمائے۔ اسلئے یہ بالکل سچ ہے کہ نیکی کرنا اسی کی توفیق، اور برائیوں سے محفوظ رہنا اُسی کی عصمت کا نتیجہ ہے، بہترین اعمال کا بجالانا اور بہترین اخلاق کا اختیار کرنا اُسی کی ہدایت سے ہی، اور برے اعمال اور اخلاق سے محترز رہنے کی وہی توفیق بخشتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ۔

(۱۰ : ۱۰۷)

اگر اللہ تعالیٰ تم کو کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو سوائے اس کے کوئی بھی اسکو دور نہیں کر سکتا، اور اگر وہ تمہارے حق میں بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اُسکے فضل کو کوئی بھی نہیں روک سکتا۔

احساسِ فقر و اضطرار

ان حقائق کی معرفت یہ نتیجہ لاتی ہے کہ آدمی صحیح طور پر اپنے اضطرار اور فقر و فاقہ کو محسوس کر لیتا ہے، اور وہ اپنے اعمال اور احوال کو بنظرِ اعجاب دیکھنا چھوڑ دیتا ہے (خود بینی ترک کر دیتا ہے) بن کے گھمنڈ میں انسان اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگتا ہے، اور عبودیت کا طوق گردن سے اُتار کر ناجائز دعاوی کرنے پر آمادہ ہوتا ہے، اور تم سمجھ سکتے ہو کہ جس کا قلب، جس کا ارادہ اور جس کے ظاہر اور باطن کی ایک ایک حرکت اور سکون دوسرے (یعنی اللہ تعالیٰ) کے تصرّف میں ہے جو اس کا مالک اور مقلب القلوب ہے اور خود اس کو ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی اختیار نہیں، بھلا وہ کب یہ گستاخی کر سکتا ہے کہ اپنے لئے کسی حال یا مقام کا دعویٰ کرے!

فصل ۲۷

بحثِ توحید

مشیئت پر ایمان، توحید کا لازمی جزو

بہرحال اس حقیقت نفس الامریہ پر ایمان لانا توحید کے قیام اور نظام کا موجب ہے، اور اگر یہ عقیدہ قلب میں نہ ہو، سمجھ لیں کہ توحید کی بھی خبر نہیں۔ پاک ہے وہ خدا جس تک رسائی حاصل کرنا خود اُسی کے ذریعہ ہو سکتا ہے اور اس کی اطاعت اس کی اپنی مشیئت کا نتیجہ ہے۔ اُس کے نزدیک رجاتِ عزت کا حاصل کرنا اُسی کی طاعت پر موقوف ہے، اور اس کی طاعت، بغیر اسی کی توفیق اور اعانت کے میسر نہیں ہوتی۔ اس لئے تمام باتوں کی ابتدا اور انتہا وہ خود ہی ہے، وہی اوّل

بھی ہے اور آخر بھی۔

توحیدِ خصوصی

جو شخص اس مقام تک پہنچ جائے وہ شیخ الاسلام انصاریؒ کے لفظوں میں "انقطاعِ توحیدی کے قبضہ میں پڑ جاتا ہے اور تجرید کی قید میں محبوس ہو جاتا ہے" اور اس کو توحیدِ خصوصی کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جس طرح نماز اور ذکر اور دیگر انواع و اقسامِ عبادت کی دو قسمیں ہیں:

ایک "خصوصی" جس میں کہ اس عمل کا ذکر کرنے والا اپنا پورا اخلاص صرف کرے اور اس عمل کو کامل ترین اور بہترین شکل میں بجا لانے کی کوشش کرے۔

دوسرے "عمومی" جس میں کہ یہ شرائط پوری طرح نہ پائی جائیں۔

اسی طرح توحید کی بھی دو قسمیں ہیں، چنانچہ کلمۂ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے میں تو سب مسلمان ایک جیسے ہیں، لیکن اس کلمہ کے مضمون کو جاننے اور ظاہر باطن میں اس کا حق پورا کرنے میں وہ اس قدر مختلف ہیں کہ ان کے مراتب کا شمار صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

توحیدِ خصوصی کا مقام

اکثر صوفیہ کا خیال یہ ہے کہ توحیدِ خصوصی کے معنی یہ ہیں کہ انسان تحریک دینے والے کے مشاہدہ میں اس قدر استغراق حاصل کر لے کہ متحرک اور حرکت کا تصور اس کے ذہن سے اتر جائے اور یہ دونو موخر الذکر چیزیں اس کی نظر سے اوجھل ہو جائیں۔ وہ اپنے آپ کو بعینہٖ ایک کٹ پتلی تصور کرے جو دوسرے کے نچانے سے ناچتی ہے، اور اس کا پختہ عقیدہ یہ ہو جائے کہ اسکی ایک ایک حرکت اور سکون مشیتِ الٰہی کی تصرفات کا نتیجہ ہے۔ جیسے کہ ایک شخص جسکو دریائے مواج کی زبردست لہریں نیچے اوپر کر رہی ہوں اس حالت میں وہ اپنی حرکت کو ذرہ بھی مشاہدہ نہیں کرتا

بلکہ اس کی حرکت براہِ راست لہروں کی حرکت اور تحریک کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اگرچہ اکثر اہلِ تصوف نے اسی توحید کو اپنا غایتِ مطلوب خیال کیا ہے، اور بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ توحید کے لوازم میں سے ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ توحیدِ خصوصی کا مقام اس سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ کیونکہ توحید مذکور کا ماحصل توحیدِ رُبوبیّت میں فنا حاصل کرنا ہے، اور اس مشاہدہ میں مستغرق ہونا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی خالق اور مُدبّرِ عالم نہیں۔

توحیدِ الُوہیّت کی اہمیت

یہ سچ ہے، لیکن صرف توحیدِ ربوبیت تو نجات تک کیلئے کافی نہیں، چہ جائیکہ اس کو غائت، طلوب خیال کیا جائے۔ غایت مطلوب توحیدِ الُوہیت میں فنا اور استغراق حاصل کرنا ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ ہر ایک دوسری چیز کی محبت کو چھوڑ کر ایک خدائے قدوس و برتر کی محبت میں فنا ہو جائے، اُسی کی لقاء کا شوق اس کے قلب پر مسلط ہو، اُسی کو اپنا الٰہ اور معبود حقیقی سمجھ کر اُسی کے سامنے (اور صرف اُسی کے سامنے) اپنے آپ کو ذلیل کرے، اپنے آپ کو ہر طرح سے اسی کا محتاج سمجھے، دوسروں کے ساتھ اپنی بیم و اُمید کو وابستہ نہ کرے بلکہ صرف اُسی کی ذاتِ پاک اس کے لئے خوف و رجا کا مرکز ہو، اور اُس کو یقین کامل ہو کہ تمام کائنات میں کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں جس سے اس قسم کا سلوک کیا جائے۔

قلبی حالت

اس کا قلب ان حقائق پر ایمان رکھنے سے ایک خاص گہرا رنگ حاصل کرے اور ان حقائق پر عمل پیرا ہونا اس کا حال اور مقام بن جائے۔ اس طرح تمام غیر اللہ سے فنا اور صرف اُسی کی ذاتِ مقدس اور صفاتِ عالیہ کے ساتھ اس کو بقا حاصل ہو۔

عارفین کی منزلِ مقصود

یہی وہ توحیدِ خصوصی ہے جس کے حصول کیلئے تمام عارفین کمربستہ نظر آتے ہیں اور اسی شفاف چشمہ کے ارد گرد سالکین چکر لگاتے ہیں ' اسی مقام پر انسان انقطاع توحیدی اور تجرید کے قبضہ میں پڑ جاتا ہے ' سچے طور پر فقر کے لباس میں ملبوس ہوتا ہے ، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کا خوف درجا دوسروں کی محبت اور ان سے کسی قسم کی بیم و اُمید کو وابستہ کرنے کا خیال اسکے دل سے محو کر دیتا ہے اور اس کا قبلۂ ارادت ایک ہی واحد حق ہوتا ہے ' جس کے آگے ذلیل ہونا اور جان و مال کی قربانی کرنا وہ اپنا فخر سمجھتا ہے - اس کی طلب اور اس کا مطلوب ایک ہوتا ہے ' کیونکہ مطلوب کا تعدد توحید اور خلوص میں خلل پیدا کرتا ' اور طلب میں وحدت نہ ہو تو پھر صدق اور ارادت کا کمال باقی نہیں رہتا - اس لئے طلب اور مطلوب دونو کی توحید ضروری ہے -

توحیدِ رُبوبیّت اور توحیدِ اُلوہیت کا فرق

توحیدِ رُبوبیّت اور توحیدِ اُلوہیّت میں بعینہٖ وہی فرق ہے جو فقر کے پہلے اور دوسرے درجہ میں ہے - جیساکہ فقر کے پہلے درجہ میں انسان اپنے اموال اور املاک سے تجرّد اختیار کرتا ہے اور دوسرے میں وہ اپنے اعمال اور احوال کو دیکھنا چھوڑ دیتا ہے ' اسی طرح توحیدِ رُبوبیّت میں وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو فاعل نہیں سمجھتا - یعنی اپنے رب کے ساتھ کسی دوسرے کو خالقیت اور فاعلیّت میں شریک نہیں کرتا ، لیکن توحیدِ اُلوہیّت میں وہ اپنے محبوبِ حقیقی کے اوامر کی اطاعت اور اس کی تحصیلِ رضا میں کسی دوسرے کو اُسکا شریک نہیں ٹھیراتا -

سالکوں کا نصب العین

وہ اُسی کی پاک محبت اور اُسی کی رضا حاصل کرنے میں فنا ہوکر دوسروں کی

محبت اور اُن کی خوشنودی طلب کرنے کا خیال پسِ پشت ڈال دیتا ہے' اور یہی بات عالی ہمت سالکوں کا نصب العین ہے۔ جو شخص اپنے مال، حال، کسب اور عمل سے تجرید اختیار کرے اور پھر اپنی تجرید کو بھی دیکھنا چھوڑ دے' وہ صوفیہ کے نزدیک سچے اہلِ تجرید میں سے ہے اور اسی کو وہ اپنا آخری مقصد اور مطلوب خیال کرتے ہیں۔

فصل ۲۸

بحثِ تجرید

اعلیٰ ترین قسم

صوفیہ کے نزدیک تجرید یہ ہے کہ اپنے وجود حادث کو اُس کے وجود باقی میں فنا کر دے اور یہی غایتِ مطلوب ہے۔ لیکن خدا کی قسم! اس سے کامل تر ایک اور تجرید موجود ہے جس سے اس تجرید کو عُشر عُشیر کی نسبت بھی نہیں، اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے ارادہ اور اپنی محبت کو شوائب اور علل اور حظوظ کے تعلق سے پاک کر دے، جس طرح اس کا محبوب ایک ہے' اسی طرح اس کی محبت بھی غیر کی آمیزش سے مُبترا ہو' اور وہ اپنی مراد اور اپنی محبوبات کو چھوڑ کر محبوبِ حقیقی کی مرضیات اور اُس کی مراد کا تابع ہو جائے۔ (ے

میلِ من سُوئے وصال و قصد او سوئے فراق
ترکِ کامِ خود گرفتم تا برآید کامِ دوست)

اتحاد مطلوب شرع

یہی وہ اتحاد ہے جس کو جائز طور پر اتحاد کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس مقام پر محب اور محبوب کی مراد ایک ہو جاتی ہے اور جو محبوب کی مراد ہوا سی کو محب اپنی مراد سمجھتا ہے اور اسی کا نام کمالِ عبودیت ہے جس کے بغیر محبت کو علل اور شوائب سے پاک نہیں خیال کیا جا سکتا۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ ارادہ کا اتحاد ایک ناممکن بات ہے، جیسا کہ مُرید کا اتحاد محال اور ناممکن ہے، البتہ جیسا کہ مذکور ہوا محب اور محبوب کی مراد ایک ہو سکتی ہے بشرطیکہ محبت علل اور حظوظ کی آمیزش سے پاک ہو اور اسی ایک اعتبار سے ان میں اتحاد کا ہونا ممکن ہے۔

تجرید کی تین قسمیں

الغرض فقر، تجرید اور غنیٰ ایک ہی باب میں سے ہیں۔ لیکن منازل السائرین کے مصنف نے تجرید کو آخری مراحل میں سے قرار دیا ہے۔ اور اس کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے کہ تجرید کے معنی ہیں: "شواہد کے دیکھنے سے مبرّا ہو جانا" اور پھر اس کے تین درجے بتائے ہیں:-

پہلا درجہ یہ ہے کہ کشف کو یقین اکتسابی سے الگ کر لیا جائے۔
دوسرا درجہ یہ ہے کہ عین جمعیت کو ادراک علمی سے علیحدگی حاصل ہو۔
تیسرا درجہ یہ ہے کہ خود تجرید کے مشاہدہ سے خلاصی پائے۔

پہلا درجہ

پہلے درجے کی تعریف میں جو اُس نے کشف کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد قلب میں ایمان کا جلوہ گر ہونا اور اُس کے رگ و ریشہ میں اُس کا سرایت کر جانا ہے اور یقین اکتسابی سے اس کو الگ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ نفسِ ایمان اس طرح بھی قلب میں جلوہ گر ہو سکتا ہے کہ عقلی دلائل اور براہین کے ذریعہ

یقین حاصل کیا جائے، لیکن تجرید کا مفہوم اس سے الگ ہے۔ اور وہ یہ کہ ہر ایک سبب کے مشاہدہ سے جو یقین اور ایمان پیدا ہونے کا موجب ہو سکتا ہے تجرید حاصل کر کے تمام اسباب اور وسائل پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا مقدّم ہونا مشاہدہ کرے۔ بالفاظِ دیگر اسباب اور وسائل اس کی نظر سے اوجھل ہو جائیں اور مُسبّبُ الاسباب کے مشاہدہ تک اس کی نظر محدود ہو۔

صحیح اور باطل تجرید کا فرق

اب اگر اسباب سے تجرید حاصل کرنے کا یہ مقصد سمجھا جائے کہ اسباب کو اسباب نہ سمجھے تو اس میں شک نہیں کہ یہ ایک باطل تجرید ہے اور جس کو یہ تجرید حاصل ہو، وہ گمراہ ہے۔ لیکن اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ اس کی نظر اسباب کے مشاہدہ تک محدود نہ ہو، اور ان کے پاس ٹھیر نہ جایا کرے تو یہ تجرید صحیح ہے، بشرطیکہ اسباب کے اسباب ہونے کی نفی نہ کرے۔

دُوسرا درجہ

دوسرے درجہ کی تعریف اُس نے یہ کی ہے کہ "عین جمعیّت کو ادراک علمی سے علیحدگی حاصل ہو" چونکہ پہلے درجہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان کو یقینِ اکتسابی سے الگ کر لیا جائے جس کا مُنتہیٰ "عین جمعیّت" ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے تصرّف میں متفرّد ہونا مشاہدہ کرے اور اسباب و وسائل کا اثبات اُسکی نظروں میں غائب ہو جائے۔ یہ تجرید ایک دُوسری تجرید کو چاہتی ہے جو اس سے کامل تر ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ اس "عین جمعیّت" کا اس میں ادراک باقی نہ رہے۔

پہلے اور دُوسرے درجہ کا فرق

بالفاظِ دیگر پہلے درجہ میں اسباب اور افعال کے مشاہدہ سے تجرید حاصل ہوتی ہے اور دُوسرے میں آدمی اپنے اس مُشاہدہ کے علم اور ادراک سے تجرّد حاصل

کرتا ہے۔

تیسرا درجہ

اِن دونو کے بعد ایک اور تجرید کی ضرورت ہے جو دونو سے کامل تر ہو، اور وہ یہ ہے کہ خود تجرید کے مشاہدہ سے مخلصی پائے۔ جس کو تجرید کا یہ تیسرا درجہ حاصل ہو، وہ عین جمع میں ہوتا ہے۔ اُسکی تمام تر توجّہ کا مرکز واحد حق تبارک تعالیٰ ہوتا ہے، اور اس میں اُسکو یہاں تک استغراق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی اِس حالتِ عین جمع کے ادراک سے بھی قاصر رہتا ہے۔ واحدِ حق کا ذکر اور اُس کی معرفت یہاں تک اُس کے قلب پر غالب ہوتی ہے کہ اس میں اپنی تجرید کے احساس تک کیلئے گنجائش باقی نہیں رہتی، چہ جائیکہ وہ اس کی طرف التفات کرے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو یقیناً اُس کی تجرید ناقص ہو گی۔

چوتھی قسم

اِن مراتب سہ گانہ کے بعد ایک اور تجرید ہے جس کے ساتھ اِن مراتب کو قطرہ اور دریا کی نسبت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنی محبّت اور اپنے ارادہ کو ماسویٰ اللہ کے تعلق سے آزاد کرے۔ ؎

غلامِ ہمتِ آنم کہ زیرِ چرخِ کبود زہرچہ رنگِ تعلق پذیرد آزاد است)

اور اُس کی تجرید علل و اغراض اور حظوظ و شوائب کی آمیزش سے جو نفس کی مُراد ہے، بالکلیہ پاک ہو۔ اِس کی طلب اور اِس کی محبت (اور اِس کا ارادہ) ہر ایک ایسی چیز کے تعلق سے مُبرّا ہو جو اُس کے محبوبِ حقیقی کی مراد کے مخالف ہے۔ حنیفیّت کی تجرید یہی ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

تمہید

چونکہ بندہ کا اپنے رب کی طرف فقیر اور محتاج ہونا اُس کے حق میں عین غنیٰ ہے۔ کیونکہ جو شخص سب سے زیادہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج خیال کرے درحقیقت وہی غنی ترین ہے۔ جو کوئی اُس کے سامنے اپنے آپ کو جتنا ذلیل کرے، اُتنا ہی عزیز ہوگا۔ جو کوئی اُس کی بارگاہ کبریا میں اپنے آپ کو عاجز اور کمزور خیال کرے، وہی درحقیقت طاقتور ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جاہل تر سمجھے، وہی معرفت اور علم میں کامل تر ہوگا۔ اور جو کوئی اپنے نفس کو جتنا زیادہ مبغوض سمجھتا ہے اُتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے قریب تر ہے۔ اِسی لئے فقر کا بیان کرنیکے بعد غنیٰ باللہ کا

ذکر بھی لازم ہے۔ کیونکہ یہ دونوں آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ لہٰذا ہم ایک علیحدہ باب میں غنیٰ باللہ کے متعلق جس کو غنائے عالی کہہ سکتے ہیں، چند ایک مفید باتیں لکھتے ہیں۔

غناءِ عارضی

تمہیں یقین ہونا چاہیئے کہ غناء درحقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی پیدا کرنے کا نتیجہ ہے، جس کی ایک صفتِ ذاتی یہ ہے کہ وہ غنی مطلق ہے اور اس کے بغیر جملہ مخلوقات کیلئے جیسا کہ مخلوقیت کی وصف لازمی ہے، اسی طرح ان کا فقر و احتیاج الی اللہ بھی ان کے لوازمِ ذات میں سے ہے۔ اور غنا کی صفت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کیلئے صرف ایک امرِ عارضی، نسبتی اور اضافی ہوگا۔ کیونکہ اس کا غنا لامحالہ کسی ایسے امر کی وجہ سے ہوگا جو اس کی ذات سے خارج ہے اور اس لئے اس کا غنا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوگا یعنی غناء باللہ ہوگا۔ ورنہ اپنی ذات کے لحاظ سے تو وہ فقیرِ مطلق ہے۔ علی الاطلاق صرف اسی کو غنی کہا جا سکتا ہے جس کا غنا اُس کے لوازمِ ذات میں سے ہو۔ چونکہ یہ صفت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتی، اِس لئے وہی ایک غنی مطلق کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور وہی ہے جو اپنی صفات میں یگانہ و بے نیاز اور ہمیشہ قابلِ حمد و تعریف ہے۔

فصل ۲

اقسامِ غناء

الغرض غناء کی دو قسمیں ہیں: ایک غناءِ سافل اور دوسرا غناءِ عالی۔

غنائے سافل

غنائے سافل وہ ہے جس کی بنا واجب الاسترداد عاریتی اشیاء کے ساتھ منسوب ہونے پر ہے، مثلاً بیویاں اور بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، عمدہ گھوڑے، مال مویشی اور کھیت وغیرہ۔ لیکن یہ غناء کی ضعیف ترین قسم ہے، جس کی مثال ڈھلتی پھرتی چھاؤں کی ہے۔ یہ تمام چیزیں عارضی ہیں، جو قریب تر مدّت میں واپس کرلی جائینگی۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد وہی فقر و احتیاج! (بانکے دن اور بُرے دہاڑے)۔

ان چیزوں کی موجودگی کی وجہ سے اپنے آپ کو غنی سمجھ لینا ایک خواب کی مانند ہے جس میں آدمی اپنے آپ کو خزانوں کا مالک اور متصرف دیکھتا ہے، لیکن آنکھ کھلنے پر وہ سب دولت کافور ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے غناء پر قناعت کرنا غایت درجہ کی پست ہمتی ہے، لیکن تم دیکھو گے کہ اہلِ دُنیا اسی پر برمٹ رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جو دل اس قسم کی غناء کی محبت سے بھرپور اور اُس کے زوال سے پریشان ہو، اس سے بڑھ کر کوئی بھی شیطان کا پیارا اور اپنے رب تعالیٰ سے دُور تر نہیں۔

سلف صالح کا قول

سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے کہ جب شیطان اور اُس کے لشکر آپس میں ملتے ہیں تو وہ سب سے بڑھ کر تین باتوں پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں: ایک یہ کہ کوئی مومن دوسرے مومن کو ناحق قتل کر ڈالے۔ دوسرے یہ کسی کا خاتمہ کفر پر ہو (والعیاذ باللہ تعالیٰ) تیسرے یہ کہ کسی کے دل میں افلاس اور تنگدستی کا خوف موجود ہو۔

الغرض اس قسم کے غناء کا ماقبل اور مابعد فقر و احتیاج ہے، اور وہ ان دونو کے درمیان میں گھرا ہوا ہے۔ اس کی ناپائداری کی مثال ایک اونگھ کی ہے جس کے بعد فوراً آدمی کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اِس لئے جو کوئی بھی اپنے نفس کا دشمن نہیں، اُسکو اس غناء پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی اس کو اپنا مطمح نظر ٹھیرائے۔ بلکہ اگر اس کو اس قسم کا غناء حاصل ہو تو وہ اس کو غناء اکبر اور غنائے عالی کا ذریعہ بنائے۔ اور اس کا درجہ خادم کا ہو نہ کہ مخدوم کا۔

آدمی کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو اس سے عزیز تر سمجھے کہ بغیر اپنے رب تعالیٰ کے اس کو کسی اور کا خادم اور غلام بنائے۔

غنائے عالی

شیخ الاسلام انصاریؒ کا قول ہے کہ غنائے عالی کے تین درجے ہیں:

(۱) "غنائے قلب" ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا قلب اسباب کے تعلق سے محفوظ ہو، حکم کے آگے اُس کا تسلیم خم ہو، اور جھگڑوں سے آزاد ہو۔

(۲) "غنائے نفس" ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو امور پسندیدہ ہیں، اُن پر اس کو استقامت حاصل ہو، اور جن امور کو اللہ تعالیٰ مبغوض سمجھتا ہے، اُن کے ارتکاب سے سلامت رہے۔

(۳) درجہ "غناء بالحق" کا ہے جس کے تین مراتب ہیں: ایک یہ کہ تم کو یہ مشاہدہ حاصل ہو کہ وہ تم کو یاد فرمایا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی اوّلیت کے مطالعہ میں ہمیشہ مستغرق رہو۔ تیسرے اس کے وجود کو سب سے بڑی کامیابی اور غنیمت سمجھنا۔

ازالۂ غلط فہمی

میں کہتا ہوں (علامہ ابن القیمؒ کہتے ہیں) صحیح حدیث میں ہے کہ مال کی کثرت غناء کا ثبوت نہیں، بلکہ غنا یہ ہے کہ نفس میں غناء پیدا ہو۔" اور جب نفس کو غناء حاصل ہو تو قلب کو بھی غنا حاصل ہوتا ہے (اس لئے غنائے نفس کا درجہ غنائے قلب پر مقدّم ہونا چاہیئے۔) لیکن شیخ الاسلامؒ نے غناء کی تقسیم میں جسکو غنائے قلب سے تعبیر فرمایا ہے، وہ درحقیقت غنائے قلب کی شرط ہے، کیونکہ قلب کا اسباب کے تعلق سے محفوظ ہونا، حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا اور جھگڑوں سے آزاد ہونا عین غناء نہیں ہے بلکہ اس کی شرط ہے۔ بالفاظ دیگر جھگڑوں کا وجود اور حکم کی عدمِ تسلیم غناء کے وجود سے مانع ہے، اور جھگڑوں سے آزاد ہونا اور حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا غنائے قلب کی دلیل ہے، لیکن عین غنا نہیں ہے، بلکہ غنائے قلب تیسرے درجہ سے حاصل ہوتا ہے، جس کا مفصّل بیان آگے آئیگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

غنائے حقیقی

مختصراً یہ کہ غناء کو غناء اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس وہ چیز موجود ہے جس سے اسکا احتیاج دفع ہو سکتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ سالک کے قلب میں ایک بہت بڑا فاقہ اور شدید ترین احتیاج ہے جس کا سوائے اس کے اور کوئی علاج نہیں کہ اللہ تعالیٰ غنی حمید کی ذاتِ مقدسہ اور اُس کے وجود کے ساتھ

اسکو بے نیازی حاصل ہو، کیونکہ جس نے خدا کو پایا، اُس نے ہر ایک چیز پائی، اور جو خُدا سے جُدا ہو گیا، اُس سے ہر ایک چیز فوت ہو گئی۔ جیسا کہ درحقیقت ایک اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے اور اس کے بغیر کوئی دوسرا نہیں جسکو حقیقی طور پر غنی کہا جا سکے۔ اِسی طرح غنا بھی درحقیقت وہی ہے جو اسی کے ساتھ وابستگی پیدا کرنے سے حاصل ہو۔ اس کے بغیر غنا، کا حاصل ہونا ناممکن ہے، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی پیدا کرکے ماسوی اللہ سے بے نیاز نہ ہو جائے وہ ماسوای کے فوت ہونے پر ارمان سے مر جائیگا۔ لیکن جس کو اُسی کے ساتھ تعلق پیدا کرکے بے نیازی حاصل ہوئی، وہ ہر ایک حسرت اور ارمان سے آزاد ہو گیا۔ اور ہر ایک قسم کی خوشی سے وہ بہرہ ور ہو گا۔

ایک توجیہ

شیخ الاسلام نے غنائے نفس پر غنائے قلب کے بیان کو اس لئے مقدم رکھا ہے کہ نفس کی تمام تر صلاحیت اِسی میں ہے کہ وہ ہر ایک طرح سے استقامت حاصل کرکے اسکو غنا حاصل ہو جائے اور نفس کو اس وقت تک اطمینان کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا، جبتک قلب کو صلاحیت حاصل نہ ہو۔

فصل ۳

غنائے نفس اور غنائے قلب

قلب کی بادشاہت

شیخ الاسلام کے کلام کی انہی مذکورۂ بالا الفاظ میں توجیہ بیان کی گئی ہے لیکن یہ توجیہ تسلی بخش نہیں ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی صلاحیت ساتھ

ساتھ ہوتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ قلب بادشاہ ہے اور اُس کی صلاحیت پر تمام رعیت (دیگر اعضا اور قویٰ) کی صلاحیت موقوف ہے۔ اِس لئے اس کا بیان سب سے مقدم رکھنا مناسب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "بیشک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ جب اس میں صلاحیت آجائے تو سارا جسم (اس کے اعضاء اور قویٰ) صلاحیت پذیر ہو جاتا ہے، لیکن اگر اس میں کوئی خرابی ہو تو سارے جسم میں خرابی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ گوشت کا ٹکڑا "قلب" ہے"۔

جب قلب میں اس وجہ سے بے نیازی کی صفت پیدا ہو جاتی ہے کہ رب تعالیٰ اس کو اپنے جلیل القدر مواہب سے مالا مال کر دیتا ہے تو وہ بھی بحیثیت ایک بادشاہ کے اپنے اُمرا اور رعیّت کو بقدر مناسب قسم قسم کی خلعتوں سے سرفراز کرنا شروع کرتا ہے۔ چنانچہ نفس کو سکون اور اطمینان اور رضا و تسلیم کی خلعت مل جاتی ہے، جس کی بدولت وہ خدائے تعالیٰ کے حقوق اور فرائض کو خوشی سے بجالاتا ہے اور اُن کا بجالانا اُس کو ناگوار نہیں محسوس ہوتا۔

نفس کی قوّتِ غضبیّہ

اِس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس حالت میں اُس کو قلب کے ساتھ ایک طرح کی مجانست پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ اکثر اُمور میں اُس کے موافق رہتا ہے۔ اور اغلب اوقات میں اُن کی مراد ایک ہوتی ہے۔ وہی نفس جو پہلے اُس کا جانی دشمن تھا، اُس کا وزیر با تدبیر بن جاتا ہے۔ پھر کچھ نہ پوچھو کہ اس میل جول اور موافقت و مساعدت سے کیا کیا خوشگوار (اور شاندار) نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کا باطن سکون اور طمانیت کا گھر ہو جاتا ہے۔ اور اس کو ایک ایسی پاکیزہ خوشی کی زندگی نصیب ہوتی ہے جس کو اہلِ جنّت کی زندگی

کا نمونہ کہہ سکتے ہیں۔ بایں ہمہ نفس کے اندر یکایک مخالفت پر آمادہ ہو جانے اور باہمی لڑائی کیلئے اسکی قوتِ غضبیہ کی چنگاریاں بھڑک اُٹھنے کی استعداد باقی رہتی ہے، اور اگر قلب اُس کو مغلوب نہ بنائے رکھے تو بہت ممکن ہے کہ اُس کی یہ پوشیدہ استعداد بروئے کار آکر ایک ہنگامہ برپا کردے۔ اِس لئے جبتک جسم میں جان باقی ہے، اپنے ظاہر اور باطن کی سخت نگرانی رکھنا فرض عین ہے کہ اس میں کوئی تغیّر پیدا نہ ہو۔

تہذیب نفس اور اعضاء و جوارح

اِسی خلعت بخشی کے سلسلہ میں اعضاء و جوارح پر خشوع اور وقار کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ چہرہ پر ہیبت اور نُور برستا ہے۔ زبان پر صدق اور سچائی آجاتی ہے اور اُس کا کلام نافع اور پُر حکمت ہوتا ہے۔ آنکھ ہر ایک چیز کو عبرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتی ہے اور مُحرّمات کو دیکھنا ترک کردیتی ہے۔ کان نصیحتیں اور دیگر مفید اقوال کو سُننے سے دریغ نہیں کرتے۔ ہاتھ اور پاؤں نہایت تن دہی کے ساتھ اعمال صالحہ بجالاتے ہیں، اور اُس کی شرمگاہ عِفّت اور محفوظیّت کے زیور سے آراستہ ہوتی ہے۔ انسان اِن تمام خلعتوں سے سرفراز ہو کر چلتا پھرتا اور پاکیزہ عیش کی زندگی بسر کرتا ہے۔

خلاصۂ کلام

الغرض نفس کا غناء غناءِ قلب کی فرع اور اُس کا نتیجہ ہے۔ اور غنائے قلب کے معنی یہ ہیں کہ وہ خالص عبودیّت کے ساتھ کما حقہٗ موصوف ہو جائے اور یہی اُس کے حق میں ایک عظیم ترین خلعت ہے، جس کے ہوتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ معرفتِ خاصہ اور محبّتِ پاکیزہ و خالص بطور ثمرہ اس سے ظہور میں آئیں۔ نیز صفاتِ مقدّسہ کے آثار اور اُن کے متعلّقہ احکام اور عبودیّاتِ مخصوصہ جن سب کا قیام ذاتِ مقدّسہ کے ساتھ ہے، اُس کیلئے نقدِ وقت ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا امر ہے جس کی شرح

اور بیان کیلئے کئی جلدیں ناکافی ہیں۔ بلکہ انسان کو جو حصہ باعتبارِ علم اور ارادہ کے اِس سے ملتا ہے اِس کی مثال دریا اور قطرہ کی ہے۔ فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا[1] (۱۷ : ۱۲)	اللہ تعالیٰ ہی نے آسمان سے بارش اُتاری اور اپنی اپنی گنجائش کے موافق اسکی بدولت ندیاں بہ نکلیں

نتائجِ غنائے قلب

جب قلب کو اس قسم کا غناء حاصل ہو جاتا ہے جو اُس کے فقر کا نتیجہ ہے تو نفس کو بھی اس کے مناسب حال غناء کا درجہ حاصل ہوتا ہے، اور اُس کی وہ برودت زائل ہو جاتی ہے جس نے اُس میں سستی، پہلو تہی اور پست ہمتی کے ذمیم اوصاف پیدا کر دئے تھے۔ بلکہ اس میں ایک نئی قسم کی حرارت کا ظہور ہوتا ہے جو اُس کو اپنے رب تعالیٰ کے اوامر کو مستعدی کے ساتھ انجام دینے پر آمادہ کرتی ہے اور اس میں رفیقِ اعلیٰ کی طلب کا ولولہ جوش زن ہوتا ہے اور اس کی برودت ایک اور رنگ میں ظہور کرتی ہے۔ یعنی شہواتِ نفسانی اور حظوظِ دنیاوی اور رعونت اور خود پسندی کے لوازم کی طرف وہ مائل اور راغب ہونے سے اور اس بارے میں مستعدی کا اظہار کرنے سے ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ نیز اس کی یبوست بھی کافور ہو جاتی ہے، جس کے نتیجہ کے طور پر وہ نرم ہو کر اُس میں نیکی کی تحریکات اور اوامرِ الٰہیہ کو جلدی قبول کرنے کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حسب قاعدہ جبتک اِس

---

[1] یہ آیت بطور استشہاد کے ذکر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ایک بحرِ محیط کی مانند ہے جس سے ہر ایک کو بقدر اسکی استعداد فطری کے اس سے حصہ ملتا ہے۔ محقق مفسرین کا قول ہے کہ آیت کریمہ میں بطور تمثیل یہی مراد ہے۔ علامہ ابن القیم نے کسی دوسرے مقام پر اس کی بسیط اور مفصل تفصیل فرمائی ہے۔ (مترجم)

میں یبوست موجود ہے، اس کے افعال میں سستی ہوتی ہے اور وہ مشکل سے کسی اثر کو قبول کرتا ہے۔ لیکن جب اسکی برودت کی بجائے اس میں حرارت پیدا ہو جائے اور اُس کی یبوست رطوبت سے مبدّل ہو جائے اور اُس کی آبیاری اُس آبحیات سے کی جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قلوب صافیہ پر نازل فرماکر ان کو اس کا چشمہ اور ذخیرہ قرار دیا۔ جس سے کہ وقتاً فوقتاً اپنے اپنے استعداد کے موافق ان کے سچّے تابعین کے قلوب پر اس کا فیضان ہوتا رہتا ہے، تو ایسی حالت میں وہ زمام محبت سے اپنے مولائے حق کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ اُس کے حقوق اور فرائض کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا ہے اور اُس کے اوامر کی سرگرمی کے ساتھ تعمیل کرتا ہے۔ یہ آیت اُس کے حسب حال ہوتی ہے کہ:

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔

(۸۹ : ۲۷، ۲۸)

(اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوتا ہے کہ) اے نفس! جسکو طمانیت حاصل ہو چکی ہے، ایسی حالت میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کر دو کہ تم اُس سے راضی ہو اور وہ تم سے راضی ہے۔

فصل ۴

غنائے عالی کا پہلا درجہ

پہلی شرط

اب ہم پھر شیخ الاسلام انصاریؒ کے کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں "پہلا درجہ یہ ہے کہ قلب اسباب کے تعلق سے محفوظ ہو"۔ اس کی تشریح

یہ ہے کہ وہ اسباب کا محتاج نہ ہو، اسباب پر اس کی نظر اور اُس کا بھروسہ نہ ہو، اور وہ اُن کی طرف میلان نہ کرے۔ کیونکہ جس کا اعتماد سبب پر ہے اُسکو ہم غنی نہیں کہہ سکتے۔ اُس پر غنی کا اطلاق صرف اُس حالت میں ہوگا کہ وہ مسبّب الاسباب کے ساتھ وابستگی پیدا کرکے اسباب کے تعلق سے اپنے آپ کو آزاد کردے۔ کیونکہ اُس کو اپنے ربّ تعالیٰ مسبب الاسباب کی رحمت اور حکمت اور حسنِ تصرّف وتدبیر کا علم اور اُسپر اعتماد ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے ساتھ بے نیازی حاصل کرتا ہے۔

دُوسری شرط

ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اُس خدائے عزوجل کے آگے تسلیم خم کرے جس کی رحمت وحکمت اور حسنِ تدبیر کا اُس کو علم حاصل ہو چکا ہے کیونکہ اگر کسی کو اس کی حسنِ تدبیر کا علم حاصل ہو بھی جائے اور اس کو اُس کے ساتھ استغنا بھی حاصل ہو، تب بھی اُس کا یہ استغناء اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جبتک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے بلا چُون وچرا تسلیم خم نہ کرے۔ کیونکہ کسی ایک حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو اُس پر ترجیح دینا اِسبات کی دلیل ہے کہ اس میں اختیار اور انتخاب کی رعونت باقی ہے۔ اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس چیز کا محتاج ہے جس کو وہ اپنی پسند سے اختیار اور انتخاب کرنا چاہتا ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز کی طرف محتاج ہو جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے اُس کے حق میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے ساتھ بے نیازی حاصل کی۔ اُس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اُس کے حسنِ تدبیر پر اطلاع حاصل کرے اور اُس کے حُکم (اور اُسکی مراد) کے ساتھ کسی قسم کی منازعت نہ کرے۔ بلکہ بغیر چون وچرا کے اُس کے آگے تسلیم خم کردے۔

تیسری شرط

لیکن اس درجہ کی تکمیل کے لئے ایک اور شرط بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب اُس نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کی مرادات کے ساتھ جھگڑنا چھوڑ دیا تو اِس کے بعد وہ لوگوں کے ساتھ بھی منازعت اور مخاصمت چھوڑ دے۔ کیونکہ لوگوں کے ساتھ منت وگریباں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے آپ کو حظوظ عاجلۂ دُنیادیہ کا محتاج سمجھتا ہے اور اس لئے ان کی بابت جھگڑنا ضروری خیال کرتا ہے۔ لیکن جو شخص حظوظِ دنیاویہ میں سے کسی بات کی احتیاج رکھتا ہے، جس کی موجودگی اُس کے لئے خوشی کا باعث ہوتی ہے اور اُس کا ہاتھ سے نکل جانا اُس پر شاق آتا اور ناگوار گزرتا ہے، اور وہ اسکو یہاں تک اہم سمجھتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ اسکے متعلق جھگڑنے تک سے احتراز نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ وہ غنی نہیں ہے جبتک کہ لوگ اُس کے جھگڑوں سے مامون اور مصؤن نہ ہوں۔ اور وہ اپنی تمام باتوں کو اپنے رب قیوم کے تفویض نہ کردے جو اُس کی تدبیروں کا متولی ہے۔

پہلے درجہ کا حصول

البتہ جب یہ تینوں شرطیں موجود ہوں یعنی یہ کہ:

(۱) اُس کا قلب اسباب کے تعلق سے محفوظ ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے احکام کو بلا چون وچرا تسلیم کرے۔ اور

(۳) حظوظِ عاجلہ میں لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرنے سے آزاد ہو

تو وہ اِس قابل ہے کہ اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اپنے مولائے پاک کی تدبیر کے ساتھ بے نیاز ہونے کا درجہ حاصل کرچکا ہے، اُس نے اپنا ہر ایک امر اس کے تفویض کیا ہوا ہے۔ اور اُس کا دل کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔ وہ اُس کے کسی حکم کو بھی ناگوار نہیں محسوس کرتا، اور جبتک رب تعالیٰ کے حقوق مزاحم نہ ہوں

وہ اُس کے بندوں کے ساتھ مُنازعت نہیں کرتا، اُس کا لڑنا جھگڑنا سب اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے اور اُس کے محاکمہ کا مرجع وہی ہوتا ہے۔

توکّل علی اللہ

چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کی دعائے استفتاح میں یہ الفاظ زبان مبارک پر لاتے تھے: اللّٰھم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت۔ (ترجمہ: بارخدایا! میں تیرا ہی مُنقاد ہُوا اور تجھی پر ایمان لایا، تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کیا ہے۔ میں نے تیری توفیق اور اعانت سے جھگڑا کیا اور تیری ہی طرف محاکمے کیلئے رجوع ہُوا۔)

الغرض اُس کا جھگڑنا صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے اور اُس کے اپنے حظوظ اور ہوائے نفس کا اُس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اس کا محاکمہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا جھگڑا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُسکی شرع کے روبرو پیش کرتا ہے، کسی دوسرے کے پیش نہیں کرتا، کیونکہ جو شخص اپنے لئے جھگڑتا ہے، وہ ہوا و ہوس کا تابع ہے اور اپنے نفس کے لئے انتقام لینا چاہتا ہے۔

کمالِ عبودیّت

حضرت عائشہ رضؓ کا قول صحیحین میں مروی ہے کہ "آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے نفس کیلئے انتقام نہیں لیا۔" اسی کو کمالِ عبودیت کہتے ہیں۔ جو شخص بوقت محاکمہ کے اپنے خصم کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولؐ کے بغیر کسی اور طرف لے جاتا ہے تو سمجھ لو کہ اُس کا محاکمہ طاغوت کی طرف ہے جس کے منکر ہونے کا (ہر ایک مسلمان کو) حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يُرِيدُونَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى	وہ چاہتے ہیں کہ اپنا مرافعہ طاغوت کے پاس

الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا ۢ بَعِیْدًا ۔ (۴ : ۶۰)

لے جائیں، بحالیکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہن کے منکر ہوں۔ اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ان کو دُور کی گمراہی میں ڈال دے۔

کوئی شخص طاغوت کا منکر نہیں ہوسکتا، جبتک اُس کا یہ عقیدہ نہ ہو کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ (بیشک حکم اللہ تعالٰی کے لیئے ہے) جو ایک حقیقتِ نفس الامریہ ہے (اور جن کو قرآن کریم میں بار بار تمہارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔)

فصل ۵

احکام کی قسمیں

دو قسمیں

یہاں پر ایک نکتہ یاد رکھنا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ حکم کی دو قسمیں ہیں: ایک حکم شرعی ہے اور دوسرا کونی اور قدری ہے جس کا ذکر شیخ علیہ الرحمۃ نے منازل السائرین میں کیا ہے جس کی بناء پر کتاب مذکور کے شراح نے اسکی شرح لکھی ہے، وہی مؤخر الذکر قسم کا حکم ہے۔ اِس صورت میں اُس کی کسی قدر تفصیل ضروری ہے۔ کیونکہ جس ترکِ منازعت کا اُنہوں نے اپنے کلام میں ذکر فرمایا ہے، اُس کو "مطلق" (اور عام) سمجھنا مامور نہیں ہے، اور نہ ہی (عموم کے ساتھ) انسان کیلئے قابلِ عمل ہے۔

تین قسمیں: حقیقت یہ ہے کہ حکم کی (ابن قیمؒ کے نزدیک) تین قسمیں ہیں: ایک

حکم شرعی دینی ہے۔ اس قسم کے حکم کو بغیر چون و چرا قبول کرنا لازم ہو اور اس میں کچھ بھی منازعت نہیں کرنا چاہئے۔ یہی عبودیت محض کا مقتضا ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی قسم کا ذوق اور وجدان (جس پر اہل تصوف کو بڑا ناز ہے) کوئی سیاسی مصلحت یا کسی (بڑے سے بڑے) آدمی کی تقلید یا قیاس غیر پرکاہ کی بھی وقعت نہیں رکھتا۔ اور اس کی مخالفت کسی حالت میں بھی نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ محض انقیاد اور تسلیم کے ساتھ اس کے پیش آنا چاہیئے۔

مزید انقیاد

جب اس قسم کے حکم کو یعنی شرعی اور دینی حکم کو اقرار اور تصدیق کے ساتھ قبول کر لیا جاتا ہے تو انقیاد اور تسلیم کا ایک اور مرحلہ باقی رہ جاتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ باعتبار ارادہ، تنفیذ اور عمل کے بھی اس کو قبول کرے، یعنی اس کے دل میں کوئی ایسی خواہش ہرگز نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تنفیذ میں کچھ بھی مزاحم ہو سکے۔ جیسا کہ اقرار اور تصدیق کا کمال اسی میں ہے کہ کوئی شبہ اس کے ایمان میں مخل نہ ہو۔

قلب سلیم کی حقیقت

قلب سلیم کی یہی حقیقت ہے کہ حق کو ماننے کے لئے کوئی شبہ اس کے حق میں سدِ راہ نہ ہو، اور امر کی تنفیذ اور تعمیل میں کوئی شہوت اور خواہش مزاحمت نہ کرے وہ اپنے حظوظ نفسانی سے متمتع نہ ہو، جیسا کہ اس سے پہلے شہوت پرست لوگ متمتع ہوئے تھے، اور نہ ہی وہ باطل میں خوض کرے، جس طرح وہ لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہوئے جو شبہات کی پیروی کرتے تھے۔ اس کی عیش اور تمتع اسی میں ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل کرے، اور خوض کی بجائے وہ حق کی معرفت کو دولت عظمیٰ سمجھتا ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مطمئن ہو اور اس کی معرفت اور محبت میں سرشار ہو۔ اس کا علم اُس کے اوامر تک محدود ہو اور اس کا ارادہ اس کی مرضی

اور خوشنودی کے تابع ہو۔ الغرض حکم دینی اور شرعی کا یہی حکم ہے جو مذکور ہوا۔

دوسری قسم: حکم کونی

دوسرا حکم کونی اور قدری وہ ہے جس میں انسان کے کسب و اختیار اور ارادہ کو بھی دخل ہو۔ اب جو حکم اس کے حق میں مقدر ہوا ہے اگر وہ اس کے نزدیک مسخوط اور مبغوض ہے تو ایسے حکم کو ہر ایک ممکن طریقے سے اپنے سے پرے ہٹانا، اور دفع کرنا لازم ہے، اور رضا و تسلیم کے ساتھ یقیناً ایسے حکم کے پیش نہیں آنا چاہیئے، بلکہ اس کے مقابلے میں دوسرے حکم کونی اور قدری سے توسل کرنا چاہیئے۔

قول شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

بالفاظ دیگر حق کو حق کے ساتھ حق کیلئے دفع کرے، چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جو اپنے عہد کے شیخ العارفین تھے، فرماتے ہیں "لوگ جب قضاء و قدر (کے تھپیڑ) میں داخل ہوتے ہیں تو خاموشی اختیار کرتے ہیں، لیکن میرے قلب میں ایک روشنی القاء کی گئی ہے اور میں حق کو حق کے ساتھ حق کے لئے دفع کرتا ہوں۔ اور عارف وہی ہے جو تقدیر کے ساتھ جھگڑا کرے، وہ نہیں جو اپنے آپ کو اس کے موافق کر دے۔" [1]

---

[1] تفصیل آئندہ فصل میں ہے۔

فصل ۶

تقدیر کو تقدیر سے دفع کرنا

پہلی مثال

اگر تم شیخ جیلانی رح کا کلام نہیں سمجھ سکتے تو اُس واقعہ کو یاد کرو جو صحاح میں مذکور ہے کہ جب خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رض طاعون سے بچنے کے لئے سفر کا ارادہ چھوڑ کر واپس ہونے لگے تو بعض اجلّہ صحابہ نے اعتراضاً عرض کیا کہ آپ خدائے تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "بیشک ہم خدا کی تقدیر سے بھاگ کر اُسی کی تقدیر کی پناہ لیتے ہیں"۔

جبکہ اس عالم میں بغیر اس کے بقا نہیں اور کوئی مصلحت بغیر اس پر عمل کرنے کے انجام نہیں پاتی تو پھر کون ہے جو اس پر حکمت کلام کا انکار کرے؟ کیونکہ جب انسان کو بھوک پیاس یا شدتِ سرما کی تکلیف پیش آتی ہے جو ایک امر مقدر ہے تو وہ انقیاد اور تسلیم کو چھوڑ کر ایک دوسری تقدیر کے ذریعہ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ یعنی کھاتا پیتا اور گرم کپڑے پہن لیتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس نے تقدیر کو تقدیر سے دفع کیا۔

دوسری مثال

اسی طرح جب اُس کے گھر میں آتشزدگی واقع ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا نتیجہ ہوتا ہے تو کیوں وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا نہیں رہتا بلکہ دوڑ دھوپ میں مشغول ہو کر فوراً بذریعہ پانی وغیرہ اس کے بجھانے کا سامان فراہم کرتا ہے۔

اس لئے نہ کہ تقدیر کو تقدیر سے ہٹاتا ہے؟ لیکن اس آگ بجھانے کی کوشش سے وہ تقدیر کا منکر نہیں سمجھا جاتا۔

تیسری مثال

اسی طرح جب آدمی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بیمار ہوتا ہے تو ایک اور تقدیر کی پناہ لے کر دوا کا استعمال کرتا ہے۔

شرع اور تقدیر کا مقتضاء

الغرض اس قسم کے حکم کونی اور قدری کو ہر ایک ممکن طریقہ سے دفع کرنا انسان پر لازم ہے، اور اگر وہ اس مدافعانہ تگ و دو میں کامیاب نہ ہو تو پھر بھی ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ نہ رہے، بلکہ اس کے آثار اور نتائج کو ان اسباب اور وسائل کے ذریعہ دفع کرے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دفع کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ اور تقدیر کو تقدیر کے ذریعہ ہٹانے کی کوشش کو ترک نہ کرے۔ اسی بات کا اس کو حکم دیا گیا ہے اور یہی شرع اور قدر کا مقتضاء ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ

لیکن جس شخص کی بصیرت اس قدر روشن نہیں کہ وہ اس مسئلہ کی حقیقت کو دریافت کر سکے تو وہ شرع اور تقدیر دونوں میں سے کسی ایک کے مقتضاء کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہوگا۔ خواہ اس کا یہ ارادہ ہو یا نہ ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان اپنے حظوظِ نفس، دنیاوی مصالح اور امورِ معاش میں تو اسی اصول پر عمل پیرا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو اسی کی تقدیر سے دفع کرنا چاہئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کے اوامرِ دینیہ میں کوئی ایسی صورت پیش آتی ہے تو پھر یہ سچا اصول اس کے صفحۂ دل سے محو ہو جاتا ہے۔ یقیناً یہ عبودیت سے دستبردار ہونے کے مرادف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ اور اس کی صفاتِ علیا

اور اُس کے متعلق علم کی کم مائگی کو ظاہر کرتا ہے۔

چوتھی مثال

فرض کرو کہ کوئی دشمن اسلام مسلمانوں کا قصد کرے تو اُس کا ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے، لیکن ہر ایک مسلمان پر اُسکی مدافعت بذریعہ جہاد بالنفس اور اور جہاد بالمال کے واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔ تقدیر کو تقدیر کے ذریعہ دفع کرنے کی یہ ایک مثال ہے۔ اور ایسے موقعہ پر اوّل الذکر تقدیر کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور مؤخر الذکر تقدیر سے اسکے ہٹانے کی کوئی کوشش کرنا یقیناً مقتضائے عبودیت کے خلاف ہے (یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے) البتہ مدافعت میں پوری کوشش صرف کر چکنے کے بعد بھی اگر وہ کامیاب نہ ہو اور معاملہ ہاتھ سے نکل جائے تو پھر یہ صورت حکم کی تیسری قسم میں داخل سمجھی جائیگی، جس کی تفصیل آگے آئیگی۔

فصل

حُکم کی تیسری قسم

تقدیرِ مُبرم

حکم کی تیسری قسم وہ قدری اور کونی حکم ہے جس میں آدمی کے اختیار کو کچھ دخل نہ ہو۔ اور اُس کے دفع کرنے میں اُسکا کچھ بس نہ چلے، اور اس سے بچنے کیلئے کوئی حیلہ اور تدبیر کارگر نہ ہو۔ اس قسم کے حکم کو انقیاد اور تسلیم کے ساتھ قبول کرنا چاہئے اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے میں کسی قسم کی منازعت

نہ کرے۔ بلکہ اپنے آپ کو مُردہ بدستِ زندہ خیال کرے۔ جیسا کہ کوئی شخص کشتی یا جہاز میں سوار ہو، اور اس کے پاش پاش ہو جانے سے وہ سمندر کی موجوں کا کھلونا بن جائے، کیونکہ وہ تیرنا مطلق نہیں جانتا۔ ایسی حالتوں میں بجز انقیاد اور تسلیم کے چارہ نہیں۔

لوازمِ انقیاد

اس موقعہ پر انقیاد اور تسلیم کے علاوہ اور بھی کچھ عبودیتیں ہیں، جن کا التزام ضروری ہے۔ اس قسم کے حکم کے مقدر کئے جانے میں تقدیر کنندہ کا عزیز اور غالب ہونا مشاہدہ کرے، اور یہ کہ اُس کا یہ حکم ضرور کسی حکمت (غامضہ) پر مبنی ہوگا اور یہ کہ وہ عین عدل اور انصاف ہے۔ جو کچھ مصیبت اُسکو پہنچی ہے وہ رد کئے جانے والی نہیں تھی۔ اور جس سے وہ محفوظ رہا، ممکن نہیں کہ وہ اسکو پہنچتی یا پہنچائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ مخلوقات کی پیدائش سے پہلے مقدر کر رکھا ہے، اور جو کچھ انسان کو اس کی زندگی میں پیش آنے والا ہے، وہ قضا سے لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے جس کسی نے تسلیم اور رضامندی اختیار کی، اُس کی جزا اُس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی ملیگی۔ لیکن جس نے اس پر ناراضگی کی، اللہ تعالیٰ اُس سے ناراض ہوا۔

تقدیر میں حکمتِ الٰہی

الغرض اس بات کا یقین کرے کہ تقدیر نے جو کچھ بھی اُس کے حق میں مقدر کیا ہے اُسکی بنا حکمت پر ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسمِ پاک حکیم کا مقتضا ہے اور جس کسی کو بھی اُس نے اس تقدیر کا مورد بنایا ہے، وہی اُس کے نزول کیلئے صحیح اور مناسب محل ہو سکتا ہے۔ اور نیز یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عدل اور انصاف ہے (اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ۔ ۴۰۔۴)

الحاصل اس کے ہر ایک فعل کو اس کے اسماء حسنیٰ اور صفاتِ علیا کا مقتضاء سمجھے۔ اور اگرچہ وہ ایک ایسا فعل ہے جس کے کرنے سے انسان مذمت اور ملامت کا مستوجب ہوتا ہے، لیکن جبھی اس کو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ علیا اور اُسکے اسماء حسنیٰ کے مقتضار سے منسوب کیا جائے، وہ فعل ممدوح خیال کیا جائیگا اور اُس کے مقدر کرنے پر رب تعالیٰ حمد و ثنا کا مستحق ہوگا۔ جیساکہ وہ اپنے تمام افعال اور اوامر میں علیٰ وجہ الکمال حمد و ثنا کا مستحق ہے۔ اور انسان کا مستوجب مذمت و ملامت ہونا اس کے اپنے جہل، ظلم اور نقصانِ ذاتی کا نتیجہ ہے۔ بالفاظ دیگر اس قسم کی تقدیر میں انسان اور اُس کے رب تعالیٰ پر الگ الگ اوصاف کا اطلاق ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کیلئے حمد اور ثنا، اور تفضّل اور احسان ہے اور بندہ کیلئے مذمت اور ملامت اور سزا کا استحقاق ہے۔

قرآنی تفصیلات

اس مقام پر چار آیتیں قرآن کریم کی، انسان کی پوری پوری تسلی کر دیتی ہیں۔ پہلی آیت یہ کہ:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ (۴ : ۷۹)	جو کچھ تم کو بھلائی پہنچتی ہو وہ بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ تم کو برائی پہنچتی ہو وہ یقیناً خود تمہارے نفس کی شامت ہو۔

دوسری آیت یہ کہ:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا، قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (۳ : ۱۶۴)	کیا جب تم کو ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دو چند مصیبت تم اپنے دشمن کو پہنچا چکے تھو تو تم کہنے لگے ہیں! یہ کہاں سے ؟ کہ دو یہ تمہارے اپنے نفوس کی شامتِ اعمال کا نتیجہ

	۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تیسری آیت یہ ہے:

وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ (۴۲ : ۳۰)	تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے عمل کا نتیجہ ہے اور بہت گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف بھی کر دیتا ہے۔

چوتھی آیت یہ کہ:

وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ۔ (۴۲ : ۴۸)	اور بیشک جب ہم انسان کو اپنی رحمت سے بہرہ ور فرماتے ہیں تو وہ اس پر نازاں ہوتا ہے لیکن اگر ان کو اپنے شامتِ اعمال کے نتیجہ کے طور پر کوئی برائی پہنچ جائے تو بیشک انسان بڑا ناشکر گزار ہے۔

جو کوئی ان آیتوں کو باعتبار علم اور معرفت کے حکم کی اس تیسری قسم پر منطبق کرے اور اپنے ارادہ اور عزم اور توبہ و استغفار کو اس کے مطابق بنائے، تو کچھ شک نہیں کہ اُس نے حکم کی تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا حق ادا کیا۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ انقیاد و تسلیم سے زائد ایک اور چیز ہے۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

فصل ۸

اِستقامت فی الدِّین

شرُوط

غنائے نفس کی تعریف میں شیخ الاسلام انصاری ؒ نے جس استقامت کا ذکر کیا ہے، اُس سے مراد دینی اُمور پر استقامت ہی جن کو اللہ تعالیٰ محبوب اور پسندیدہ جانتا ہے، اور اُن امور سے پرہیز کرنا ہے جو اُس کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں۔ شرط یہ ہے کہ یہ استقامت خالص اللہ تعالیٰ کے احکامِ دینیہ کے احترام، اُس کی خوشنودی کی طلب اور اُس کے عذاب کے خوف کے خیال سے ہو۔ یہ نہیں کہ اُس کی غرض کسی مخلوق کی تعظیم یا اُس کی مدح حاصل کرنا ہو، یا کسی مخلوق کی مذمت سے بچنے کا خیال مدنظر ہو، یا لوگوں میں ہر دلعزیزی حاصل کرنا اُسکو مطلوب ہو۔ اِن خیالات کا ملحوظ رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بُعد رکھتا ہے اور مخلوق کی احتیاج میں منہمک ہے۔ لیکن جس کا نفس اِن خیالات سے محفوظ ہو، اور اول الذکر صفات سے موصوف ہو، تو یہ اُس کے غناء کا ثبوت ہے، کیونکہ اُس نے اللہ تعالیٰ کے اوامر کیلئے اپنی خوشی اور محبت کے ساتھ اپنی گردن جُھکا دی ہے اور اپنے ایمان کے تقاضا اور طلبِ ثواب کی خاطر اُس نے انقیاد اور اطاعت کو اختیار کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی لذت، راحت اور سرور اس بات میں خیال کریگا کہ لوازمِ عبودیت کے ساتھ قیام کرے۔

فضیلتِ نماز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "بلالؓ! (نماز کی اذان کہہ کر) نماز کے ذریعہ ہمارے لئے راحت کا سامان بہم پہنچاؤ"۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تمہاری دُنیا کی زندگی میں مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: ایک عورتیں۔ دوسری خوشبو۔ تیسرے یہ کہ میری خنکئ چشم نماز میں ہے"۔

نماز کیوں خُنکئ چشم کا موجب ہے؟

تم سمجھ سکتے ہو کہ "خنکئ چشم" کا لفظ محبوب ہونے سے بڑھ کر ہے، بالفاظِ دیگر آپ نے عورتوں اور خوشبو کو مطلق محبوب کہا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بتایا کہ آپ کی خنکئ چشم جس سے دل کو راحت اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اور اُسکی خالص اور مسرت نماز ہی میں ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندہ کے درمیان ذریعۂ ارتباط ہے اور جس سے انسان کو اُس کی بارگاہِ کبریا میں شرفِ حضوری، اُسکے ساتھ بلا واسطہ مناجات اور اس کا غایت قُرب حاصل ہوتا ہے۔ کیا ایک مُحبِّ صادق کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز خنکئ چشم کا موجب ہوسکتی ہے؟ اور جب نفس کو یہ مقام حاصل ہو جائے تو پھر کونسا فقر و احتیاج ہے جس کا خوف باقی رہتا ہے؟ اور کونسا درجہ غنا رکا اس سے فوت ہوا ہے جس کے حصول پر اسکو اپنی توجہ مبذول کرنا پڑے؟

نفس کب مطمئنہ ہوتا ہے؟

یاد رکھو کہ نفس کو یہ درجہ اُس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا، جب تک اُس کی طبیعت، قلب کے ساتھ ہم جنس نہ ہو جائے اِسوقت اسکی صفت، لوامہ سے بدل کر مطمئنہ ہو جاتی ہے، جس سے اُس کی طبیعت میں ایک انقلاب واقع ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نُور دل میں جلوہ گر ہو کر اس کو استغنا بخشتا ہے جس کا اثر اُسکے کان،

آنکھ، ہڈیوں، گوشت و پوست، خون، بشرے اور بالوں تک میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور یہ نور جہاتِ ستہ سے اُس کو گھیر لیتا ہے چنانچہ آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اوپر نیچے نُور ہی نُور ہوتا ہے۔ اس کی ذات نُور بن جاتی ہے، اور اُس کا عمل اور اس کا قول اور اُس کا مدخل اور مخرج سراسر نُور ہوتا ہے، اور جب یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے تو نفس میں ایک استغناء کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اُن شہوات کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ حدود سے تجاوز کرنے پر آمادہ کرتی ہیں، اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے مامور بہ احکام کے ساتھ تساہل کا برتاؤ کرتا ہے، کیونکہ دونوں باتیں (ممنوعہ حدود کو توڑنا اور مامور بہ احکام کی بجا آوری میں سستی کرنا) لازم ملزوم ہیں۔

نماز، بیحیائی اور برائی سے کیوں مانع ہے؟

اوامر کا ترک انسان میں شہوت پرستی کا مادہ بڑھاتا ہے، اور جتنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر بجالانے میں مستعدی عمل میں لائیگا، اتنی ہی شہوت پرستی اُس سے دُور رہیگی۔ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (۲۹ : ۴۵)	بیشک نماز کی پابندی انسان کو بیحیائی کے کاموں اور بُرے اعمال سے روکتی ہے۔

دوسری جگہ آیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ۔ (۲۲ : ۳۸)	بیشک اللہ تعالیٰ مومنوں کی حمایت کرتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ کسی ایسے آدمی کو پسند نہیں فرماتا جو خیانت کرنے والا ناسپاس ہے۔

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی یہ حمایت آدمی کی قوتِ ایمانیہ کے کم و بیش ہونے

کے مطابق ہوتی ہے۔

استقامت کب حاصل ہوتی ہے؟

جب نفس آزاد اور پاکیزہ ہوکر اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے غناء سے غنی اور مطمئن ہوجاتا ہے، اور جو نور اللہ تعالیٰ نے قلب پر فائض فرمایا، اُسکی شعاعوں سے نفس بھی منور ہوجاتا ہے تو اُس حالت میں وہ اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب پر ثابت قدمی اور استقامت اختیار کرتا ہے اور ریاکاری کی علت سے بری ہوجاتا ہے۔ اور یاد رکھو کہ تمام تردار و مدار ظاہر اور باطن کی استقامت پر ہے، اور اسی لئے بعض اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ تمام دین اور شریعت کا خلاصہ ان دو لفظوں میں ہے کہ:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ۔ (۱۱ : ۱۱۲)

جیساکہ تمہیں حکم دیاگیا ہے اس کے مطابق استقامت اختیار کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (۴۶ : ۱۳)

بیشک جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب تو اللہ ہی ہے اور پھر انہوں نے اس پر استقامت اختیار کی تو ان پر نہ تو خوف طاری ہوگا اور نہ غمگین ہونگے۔

فصل ۹

غناء عالی کا تیسرا درجہ

حصول کا پہلا زینہ

استقامت فی الدین انسان کو غناء کے تیسرے درجہ تک پہنچا دیتی ہے یعنی

یہ کہ انسان تمام ما سوی اللہ سے بے نیاز ہو کر محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی ہو جانا ہے' اور یہ غنار کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ اس کا پہلا زینہ یہ ہے کہ تم پر یہ مشاہدہ غالب ہو کہ تمہاری یاد سے بھی پیشتر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور عنایت سے تم کو یاد فرمایا ہے۔ ابھی تم نے عالم شہادت میں قدم بھی نہیں رکھا تھا (تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے) چہ جائیکہ تم نے اُس کی عبادت کی ہو' یا اُس کی یاد میں مشغول رہے ہو' ایسے وقت میں اُس نے تم کو اور دیگر تمام مخلوقات کو اپنی رحمتِ کاملہ سے یاد فرمایا۔ چنانچہ تم کو (احسن تقویم میں) پیدا کیا اور تمہارے لئے رزق مقدر کیا اور دیگر انواع و اقسام کی نعمتیں تم پر فائض فرمائیں۔ یہ سب کچھ اُس وقت کیا جبکہ تمہارا وجود بھی نہیں تھا۔ اس کے بعد تم کو اسلام کی دولتِ عظمیٰ سے بہرہ ور فرما کر تم کو اپنے مزید انعام و اکرام کا اہل بنا دیا۔ اگر وہ خود تم کو اپنے فضل و احسان سے یاد نہ فرماتا تو تمہارے لئے ممکن نہیں تھا کہ ان جلیل القدر نعمتوں اور ان اعلیٰ مراتب سے تم سرفراز ہوتے۔ تم خود غور کرو کہ وہ کون ہے جس نے تم کو ایسی حالت میں بیدار ہونے کی توفیق بخشی' جبکہ دوسرے خوابِ غفلت میں مدہوش پڑے ہوتے ہیں؟ وہ کون ہے جس نے تمہارے دل میں یہ القار کیا کہ تم سچی عزیمت کے ساتھ تائب ہو جاؤ' چنانچہ اُس نے تمہارے دل میں توبہ کی حلاوت پیدا کی' جو تمہارے حق میں ایک خوشگوار لذت کا موجب بن گئی۔ وہ کون ہے جس نے تمہارے دل کو اُس کی محبت سے معمور کیا اور تمام غیر اللہ کے تعلق اور وابستگی سے اس کو دُور کیا؟ طویل وحشت کے بعد تم کو اپنے قرب سے مانوس فرمایا۔ اور پہلے خود اُس نے تم سے قریب ہونا شروع کیا' جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ تم بھی اُس کے تقرب کے خواہاں ہو گئے۔ جس کے بعد اُس نے تم کو اپنے سے اَور قریب تر بنایا۔ گویا تمہارا ایک تقرب اُس کے دو تقربوں سے گھرا ہوا ہے۔ اسی طرح تمہارے ذکر اور تمہاری محبت پر اسکے دو گونہ

ذکر اور محبت نے احاطہ کیا ہوا ہے۔ اگر وہ تم کو ابتداءً یاد نہ فرماتا تو تمہارے دل میں اُس کی پاک محبت اور معرفت و توحید کا ایک ذرّہ پیدا نہ ہوتا اور نہ تمہارے دل میں اُس کے خوف و رجاء کو جگہ ملتی۔ اسی طرح تم اسی پر توکّل کرنے اُسکی طرف انابت اختیار کرنے اور اُس کا قرب ڈھونڈنے کی توفیق سے محروم رہتے۔ یہ سب اُسی کے ذکر سابق کے آثار اور نتائج ہیں۔

فصل ۱۰

اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان کا تصوّر

غناء کا عالی پایہ مقام

یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تم پر ہمیشہ لگاتار نازل ہوتی رہتی ہیں اور اُن کی گنتی تمہارے سانس لینے کی گنتی کے برابر بلکہ اس سے بھی زائد ہے کیونکہ ایک ایک لمحے میں وہ تم پر متعدد نعمتیں فائض فرماتا ہے۔ (وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا)[1] اُس نے اُن تمام نعمتوں کے ساتھ تم کو تمہاری پیدائش سے پہلے یاد فرمایا، جن کی بدولت تم نے اسکو پہچانا اور تمہارے دل میں اُسکی محبت پیدا ہوئی۔ باوجودیکہ وہ تم سے بے نیاز اور غنی مطلق ہے، اس لئے یہ اس کا بڑا بھاری احسان، فضل اور جود و کرم ہے۔ کیونکہ وہ کسی طرح تمہارا محتاج نہیں اور اُس کا جود اور احسان کسی احسان سابق کا معاوضہ نہیں اور نہ ہی وہ تم سے کسی جزا کی توقع رکھتا ہے۔ اس لئے جب تم کو اُس کی طرف سے کوئی ادنیٰ نعمت بھی پہنچے تو تم جان لو کہ اُس نے تم کو اپنے فضل و کرم اور احسان کے ساتھ یاد فرمایا ہے اور اس لئے

---

[1] سورہ (۱۴ : ۳۴۔ اور ۱۶ : ۱۸)

اُس نعمت کی پُوری پُوری قدر کرو۔ کیونکہ جس نے تم کو اپنے احسان سے یاد کیا، سمجھ لو کہ اُس نے تمہاری قدر کی ہے (اور اس لئے تم بھی اس کے احسان اور اُسکی نعمت کی قدر کرو) چہ جائیکہ وہ احسان ابتدائً ہو، اور طُرّہ یہ کہ وہ بہر کیف تم سے بے نیاز ہو۔

جب آدمی پر یہ مشاہدہ غالب ہو جاتا ہے اور وہ اُس کے قلب کے اطراف و جوانب کو گھیر لیتا ہے تو ما سوی اللہ کی یاد اُس کے مرقع قلب سے مٹ جاتی ہے اور اس کے دل میں ایک ایسا عالی پایہ غنا رحاصل ہو جاتا ہے جس کی نظیر صفحۂ ہستی پر موجود نہیں۔

تمثیل بندہ نوازی

چنانچہ ایک مملوک غلام جس کا آقا اُس کو کسی وقت نہیں بھولتا اور برابر اُس کو اپنے احسانات سے سرفراز کرتا رہتا ہے۔ جب وہ اس بات کا اپنے دل میں احساس کرتا ہے تو وہ اُس میں (اپنے دل میں) ایک عجیب انداز کا غنا، اور بے نیازی محسوس کرتا ہے جس کی خوشی انعام و اکرام سے بھی زائد ہوتی ہے جو اسکو اپنے مُحسن آقا کی طرف سے حاصل ہُوا ہے۔

بندہ نوازی کی دوسری مثال

(اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ کو یاد کرنا دو طرح پر ہے:) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت صحیحہ ایک حدیث قُدسی منقول ہے "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسکو اسی طرح یاد کرتا ہوں، اور جو شخص کسی مجلس میں میری یاد کرتا ہے، میں اُسکو اسکی مجلس سے اعلیٰ تر مجلس میں یاد کرتا ہوں" جس یاد کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اِس حدیث قُدسی میں ذکر فرمایا ہے۔ وہی دوسری یاد ہے جو بندہ کے ذکر کرنے کا نتیجہ ہے اور اسکے بعد ہوتی ہے۔ لیکن جس کا بیان ہم نے سطور بالا میں کیا ہے اس سے مراد ذکر سابق ہے۔ اور

بندہ کی یاد ان دونو سے گھری ہوئی ہے، جیساکہ پہلے مذکور ہوا۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان دونو قسم کی یاد کا احساس کرتا ہے تو اُس کو وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو اُس انعام و اکرام سے بھی زائد ہے جو اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا ہے۔

ذکر کے موضوع پر ایک مفید کتاب

ہم نے (علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں) ذکر کے فوائد میں ایک کتاب بنام "الکلم الطیب و العمل الصالح" تصنیف کی ہے، جس میں ذکر کے تقریباً سو فائدے بیان کئے ہیں۔ یہ ایک نہایت مفید کتاب ہے اور اس تمام مبحث کا خلاصہ اور اور ما حصل یہ ہے کہ جب آدمی اپنے رب تعالیٰ کے ذکر سابق اور لاحق کا احساس کرتا ہے تو اُس کے قلب میں ایک بے نیازی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اُسکے تمام احتیاجات کو رفع کر دیتی ہے۔ برخلاف اُس کے جس نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا، اللہ تعالیٰ بھی اس کو نظر رحمت سے بھلا دیتا ہے اور وہ ہر ایک قسم کی احتیاج میں مبتلا ہوتا ہے، اور جس چیز کو وہ اپنے زعم باطل میں غنا سمجھے ہوئے ہے، وہی درحقیقت اُس کا عظیم ترین افلاس ہے۔

فصل ۱۱

توحیدِ شہودی

غناء باللہ کا دُوسرا زینہ

غناء باللہ کے مقام کا دوسرا زینہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اوّلیت کا دوامی شہود حاصل ہو، جو ارباب سلوک کے نزدیک پہلی سلوک کی نسبت اعلیٰ اور اکمل ہے۔

اس لئے اس شہود کے حصول کے بعد جو غنا حاصل ہوتا ہے وہ بھی کامل تر ہوتا ہے کیونکہ پہلا غنا در حقیقت مبادی میں سے ہے، اور بیشک جب انسان کے قلب پر اُس کی اولیت کا شہود غلبہ پاتا ہے تو اُس کو محسوس ہوتا ہے کہ پیشتر اس سے کہ وہ اپنی مخلوق کو پیدا کرے جس نے اُسکی تحمید اور تمجید کی اور اُسکی عبادت کو اپنا شعار بنایا، اس سے بہت پہلے وہ اپنے اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ علیا کے ساتھ موجود تھا۔ کیونکہ جس کے لئے غنا اور حمد اُس کے لوازم ذات میں سے ہیں وہ ہر حالت میں معبود اور محمود ہے (چاہے کوئی اُسکی عبادت کرے یا نہ کرے اور کوئی اُس کی حمد و ثنا میں مشغول ہو یا نہ ہو) تمام کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا قیام اور بقاءِ شخصی و نوعی اُسی کے ساتھ ہے (اس لئے وہ قیوم ہے) بادشاہی کا مالک وہی ہے اور ازل سے ابد تک ہر ایک قسم کی حمد و ثنا کا وہی مستحق ہے۔ اُس کی صفاتِ جلال اور نعوتِ کمال اُس کی ذاتِ مقدسہ کی طرح ازلی اور ابدی ہیں۔ سوائے اُس کے ہر ایک چیز اپنی ذات اور صفات کے وجود اور بقاء میں اُسی کی محتاج ہے۔ لیکن وہ اپنی ذات اور صفات میں بوجہ من الوجوہ کسی کا ذرہ بھی احتیاج نہیں رکھتا۔

توحیدِ شہودی کی پہلی قسم

جب انسان پر اللہ تعالیٰ کی اولیت کے دوامی شہود کا مشاہدہ غالب آجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اولیت ہر وقت اُس کے قلب میں جلوہ گر رہتی ہے تو اس شہود اور تجلی کی بدولت سوائے واحدِ حق کے تمام مُحدثات (وہ تمام اشیاء جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور جو پہلے نیست تھیں) اُس کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ اُس کے شہود میں ممکنات کا وجود غائب ہو کر ایک ذاتِ مقدسہ کا وجود باقی رہ جاتا ہے۔ وہ تمام ممکنات اور مُحدثات کو ازلی اور دائمی وجود

کے مقابلہ میں ہیچ دیکھتا ہے اور اُن کی مثال اُس کے نزدیک ایک سایہ کی ہوتی ہے جس کو اُس کا پھیلانے والا اپنے حسب ارادہ کم زیادہ کر سکتا ہے اور کرتا رہتا ہے۔ اِس جلیل القدر شہود کی وجہ سے آدمی کو وہ بے نیازی حاصل ہوتی ہے جس سے اُس کا ہر ایک قسم کا فاقہ اور احتیاج دُور ہو جاتا ہے۔ (اسی کا نام توحیدِ شہودی کی پہلی قسم ہے)۔

توحیدِ شہودی کی دوسری قسم

اربابِ سلوک کے نزدیک پہلے شہود کے مقابلہ میں توحیدِ شہودی کی دُوسری قسم اس لئے اعلیٰ اور افضل ہے کہ پہلے شہود میں واحدِ حق کے ماسوا تمام چیزیں اگرچہ اُسکی نظر سے غائب ہو جاتی ہیں، لیکن اس کا اپنا وجود فی الجملہ اُسکی نظر سے غائب نہیں ہوتا، بلکہ اُس کا شائبہ باقی رہتا ہے، لیکن اس دوسرے شہود میں واحدِ حق کے ماسوا تمام چیزیں اس کے اولیت کے مشاہدہ میں بالکل مضمحل اور فنا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر ان سب کی اولیت کچھ بھی نہیں، عدم محض ہے۔ اس لئے واحدِ حق کی اولیت اِن کو فنا کر دیتی ہے، اور چونکہ انسان خود بھی انہی اشیاء کا ایک فرد ہے، لہٰذا اس کا اپنا وجود بھی اس مؤخر الذکر شہود میں عدم محض ہو جاتا ہے۔ اور اگرچہ اسکی ذات باعتبار مشارٌ الیہ ہونے کی باقی رہتی ہے، لیکن جب ہی اسکو ذاتِ مقدس کی اولیت سے منسوب کر کے دیکھا جاتا ہے تو اس کا معدوم محض ہونا صاف نظر آجاتا ہے۔ اس کے شہود میں فقط ایک واحدِ حق جلوہ گر ہوتا ہے، جس کے لئے ازلیت اور بقائے دوام لوازمِ ذات میں سے ہے۔ اور اس کا یہ مشاہدہ حقیقت نفس الامریہ کے عین مطابق ہے، کیونکہ تمام ماسوی (جبکہ الحیّ القیوم سے ان کی نسبت منقطع فرض کر لی جائے) معدوم محض اور باطل ہے اور ایک اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ہے جس کو حقاً موجود کہا جا سکتا ہے

توحید کی دونو قسموں میں فرق

اس مؤخّر الذکر شہود کی بدولت جو غناء حاصل ہوتا ہے، وہ اس غناء سے کامل تر اور افضل ہے جو پہلے شہود کے طفیل سے ظہور میں آتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یاد رکھو کہ غناء کا حصول اولیت کے مشاہدہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام صفاتِ کاملہ کی یہ خاصیت ہے کہ قلب میں اس کی معرفت بلوہ گر ہونے کی بدولت انسان کو غناء اور بے نیازی حاصل ہوتی ہے اور جس قدر یہ معرفت زیادہ ہوگی اور اس کے بموجب عبودیت کے حقوق بجالانے میں آدمی زیادہ سرگرم ہوگا، اتنا ہی اس کا استغناء اتم اور اکمل ہوگا۔

شہودِ فوقیت

ایک شخص کو یہ شہود حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر علو اور فوقیت حاصل ہے اور جس طرح کہ خود اس نے اپنی متعلق خبر دی ہے، اس کا استقرار عرش عظیم پر ہے۔ اس شہود اور معرفت حاصل ہونے کے بعد وہ اس کے مطابق عبودیت اختیار کرے، اس کے دل میں ایک صمدِ بے نیاز کا تصور قائم ہو، جس کے آگے وہ مناجات کیلئے اپنا سرِ نیاز جھکا کر ایک ایسے ذلیل غلام کی طرح کھڑا ہوا کرے جو کسی صاحبِ عظمت بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو، اور پھر اس کو یہ احساس ہو کہ اس کے اقوال اور اعمال دوسرے خاصانِ خدا کے اقوال او اعمال میں شامل ہوکر اسی کی طرف (اسی صمد بے نیاز کی طرف) صعود کرتے اور اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اس احساس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو شرم آئیگی کہ اسکی طرف سے بارگاہ کبریاء کو ایسے اقوال اور اعمال صعود کریں جو اسکے حق میں ذلت اور فضیحت کا موجب ہوں۔

شہود تصرفاتِ الٰہی

اس شہود کا ایک شعبہ یہ ہے کہ وہ دیکھیگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت

اسکی تدبیر اور تصرف کے احکام اقطارِ عالم میں نازل ہوتے رہتے ہیں، مثلاً کسی کا مارنا اور کسی کا جلانا، کسی کو بادشاہی کے تخت پر مسند نشین کرنا اور کسی کو اس سے معزول فرمانا، کسی کا مرتبہ بلند کرنا اور کسی کو نیچے پھینک کر قعرِ مذلت میں گرانا، کسی کو نعمتوں سے مالا مال کرنا اور کسی کو اُن سے محروم رکھنا، کسی پر بلا اور مصیبت مسلط کرنا اور کسی سے اُس کا دفع کرنا، زمانہ کو مختلف ادوار میں گردش دینا اور انواع و اقسام کے انقلابات کا ظہور میں لانا، کسی کو فتح بخشنا اور کسی کو شکست نصیب کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تصرفات ہیں جن میں کسی دوسرے کو کچھ بھی دخل نہیں، صرف اُسی کا ارادہ اور اُسی کی مشیئت نافذ رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ۔

(۳۲ : ۵)

وہی آسمان سے لیکر زمین تک ہر ایک امر کی تدبیر فرماتا ہے اور پھر وہ انتظام (یا اسکی اطلاع) ایک ایسے دن میں اسکی طرف صعود کرتی ہے جو تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

اب جس شخص کو یہ معرفت اور عبودیّت حاصل ہو، سمجھ لو کہ وہ بے نیاز ہو گیا۔

شہودِ علمِ محیط

اسی طرح کسی کو اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کا شہود حاصل ہوتا ہے اور اُس کے قلب پر یہ معرفت غلبہ کر لیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات کے ظاہر اور باطن پر محیط ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرّہ کا حال اُس سے پوشیدہ نہیں۔ سمندر کی تہ میں اور پہاڑوں کے پیٹ میں چھپی ہوئی چیزوں کو وہ جانتا ہے اور ہر ایک چیز کی بابت اُس کو علم تفصیلی ہے۔

اس کے بعد وہ اس شہود کے مطابق عبودیت اختیار کرتا ہے اور اپنے خواطر، ارادات، عزائم اور نیّات کی سخت نگرانی رکھتا ہے کہ اُن میں کوئی ایسا خطرہ، ارادہ یا عزیمت اور نیّت نہ ہو، جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ کیونکہ انسان کی اندرونی کیفیات اور اُس کے سینہ کے مستور حالات اس کے نزدیک علانیہ کا حکم رکھتے ہیں۔

صفت "سمع" کا شہود

اسی طرح ایک شہود یہ ہے کہ انسان کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی صفت "سمع" کی معرفت غالب ہو جائے، اور وہ یہ محسوس کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر ایک بندے کی آواز سُنتا ہے، چاہے وہ آہستہ بولے یا زور سے کچھ کہے۔ کسی ایک کی آواز دوسرے کی آواز سُننے میں اُس کے لئے مزاحم نہیں ہو سکتی، اور آوازوں کی کثرت اور اختلاط اُس کے حق میں خطا اور غلط کا موجب نہیں ہے۔ یہ سب مختلف آوازیں اُس کے نزدیک ایک ہی آواز کی مانند ہیں، جیسا کہ تمام مخلوق کا پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا اُس کے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ ایک انسان کا پیدا کرنا اور اُس کو مار کر جلانا ہوتا ہے۔

اسم پاک "بصیر" کا شہود

اسی طرح ایک شہود اسم پاک "بصیر" کے معنوں کا ہے جس کا مفہوم اس طرح واضح کیا جا سکتا ہے کہ وہ رات کے گھُپ اندھیروں میں کالی چٹان پر چیونٹی کی چال کو دیکھ لیتا ہے اور ایک ننھی سی چیونٹی کی پیدائش کی تفصیلات یعنی اس کی رگوں، پٹھوں اور اُس کے لحمی ریشوں پر اس کی نظر حاوی ہے جب مچھر جیسی ننھی مخلوق کالی بھجنگ رات میں اپنے بازو پھیلاتا ہے تو وہ اُس کی بینائی سے محجوب نہیں رہتا۔ اس شہود کی متعلقہ عبودیت یہ ہے

کہ انسان اپنی حرکات و سکنات کی سخت نگرانی رکھے، اور ہر وقت یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو ہر حالت میں دیکھتا ہے اور وہ کبھی اُس کی نظر سے اوجھل نہیں ہو سکتا۔ (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُس کے تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہونگے)۔

قیّومیت کا شہود جامع

ایک تیسرا شہود "قیّومیت" کا ہے جس کا مفہوم تمام صفاتِ افعال کا جامع ہے، جس کا ملخص یہ ہے کہ وہ قائم بذاتِ خود ہے (اپنے وجود اور بقا میں کسی کا محتاج نہیں) اور دوسری تمام چیزیں اُس کی ذات سے قائم ہیں۔ ان سب کا مُربّی اور مدبّر وہی ہے اور سب چیزیں اُس کے تصرف کی مقہور ہیں محسن کو اُس کے احسان کی وہی جزا دیتا ہے، اور بُروں کو سزا دینے والا بھی وہی ہے۔ اُس کی کمالِ قیّومیت کی ایک بڑی دلیل ہے کہ اُس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی، اور نہ ہی اونگھ اور نیند اُس کے مناسب حال ہو سکتی ہے۔ ترازوئے عدالت کو ہاتھ میں لئے ہوئے اُس کو بلند اور پست کرتا رہتا ہے (یہ ایک صحیح حدیث کا اقتباس ہے، اور اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کو تو بلند مراتب پر فائز فرماتا ہے اور کسی کو قعرِ مذلت میں گراتا ہے، لیکن سب کچھ حکمت ہائے نامضہ پر مبنی ہوتا ہے اور عدل و انصاف کے مقتضا کے عین مطابق ہوتا ہے) دن رات کے اعمال اُسی کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں اور وہ کبھی غلطی نہیں کرتا اور نہ کسی چیز کو بھولتا ہے۔

فصل ۱۲

توحیدِ اُلوہیت

مشہدِ اُلوہیت

اللہ تعالیٰ کا شہودِ قیومیت عارفین کے نزدیک اعلیٰ ترین مقامات میں سے ہے، اور اسی کو مشہدِ ربوبیت سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اس سے بھی ایک اعلیٰ تر مشہد ہے جس کو مشہدِ الوہیت کہنا زیبا ہوگا۔ پیغمبروں اور اُن کے حنفا رتابعین کا یہی مشہد ہے۔ اور اس کا مضمون ان دو لفظوں میں سمایا ہوا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ یعنی یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے ماسواء کی ربوبیت باطل اسی طرح کوئی دوسرا خدا بھی نہیں ہے جو لوازم الوہیت کے ساتھ موصوف ہو۔ کسی دوسرے کے آگے نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا جائز نہیں، اور کوئی دوسرا انتہائی محبت کا مستحق نہیں جس کے ساتھ پرلے درجہ کی عاجزی اور ذلت بھی شامل ہو۔ ایک وہی ہے جو اپنے اسماء وصفات اور افعال میں کامل ہے۔ اور درحقیقت وہی اس قابل ہے کہ اُس کے احکام کو تسلیم کیا جائے اور اُسکی اطاعت فرض ہو، اُس کے ماسوا کوئی بھی نہیں جو عبودیت کا مستحق ہو۔ اور تمام ماسوا کی محبت اور عبودیت سراسر باطل اور صریح گمراہی ہے جس کی وجہ سے اُس کا عمل میں لانے والا عذاب میں مبتلا ہوگا۔ ہر ایک غنا جو اُس کی طرف سے نہیں ہو وہ عین فقر ہے۔ اور ہر ایک عزت جو کسی دوسرے کی بدولت حاصل ہو، ذلت ہے۔

استحقاقِ عبودیّت

الغرض جس طرح یہ ناممکن ہے کہ مخلوقات کیلئے اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی دوسرا خالق اور رب ہو، اسی طرح یہ بھی منجملہ محالات کے ہے کہ مخلوقات کے لئے کوئی دوسرا خدا ہو جو ان کی عبودیت کا مستحق ہو۔ تمام لوگوں کی رغبت کی انتہا اور ان کی توجہات کا قبلہ وہی ایک خدا ہونا چاہیئے، جس کے ساتھ کسی دوسرے خدا کا ہونا ناممکن ہے کیونکہ حقیقی خدا کے لئے ضروری ہے کہ وہ صمد، بے نیاز اور اپنے اسماء و صفات میں کامل ہو، ہر ایک چیز اس کی محتاج ہو اور وہ کسی کا بھی محتاج نہ ہو، وہ خود قائم بالذات ہو لیکن دوسری تمام اشیاء کے وجود اور بقاء کا قیام اس کے ساتھ ہو، اور یہ ناممکن ہے کہ دو ایسے خدا موجود ہوں جو ان صفات سے موصوف ہوں۔ کیونکہ اگر دو ایسے خداؤں کا وجود فرض کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عالم میں عظیم ترین فساد اور اختلال رُونما ہوگا۔ جیسا کہ یہ محال ہے کہ کسی ایک فعل کو انجام دینے کے لئے دو مساوی درجہ کے فاعل جمع ہوں، جن میں سے ہر ایک مستقل فاعل ہو، کیونکہ ہر ایک کا علیٰ وجہ الکمال مستقل فاعل ہونا دوسرے کے علیٰ وجہ الکمال مستقل فاعل ہونے کے منافی ہوگا۔ اسی طرح ایک مستقل خدائے معبود کا ہونا دوسرے کی الوہیت کا مانع ہے۔ (لَوْ كَانَ فِيهِمَآ آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ (۲۱: ۲۲) ترجمہ: اگر آسمان اور زمین میں دو خدائے معبود ہوں تو ضرور اُن کا نظام درہم برہم ہو جائے)

ایک زبردست فطری دلیل

توحیدِ ربوبیت ایک زبردست دلیل ہے جس سے توحیدِ الوہیت ثابت ہوتی ہے، اور چونکہ یہ ایک نہایت صحیح دلیل ہے جس کو عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ فوراً قبول کر لیتی ہے اور نیز یہ کہ اکثر مشرکین توحیدِ ربوبیت کے قائل ہیں، اس لئے

قرآن کریم میں اکثر یہی دلیل استعمال کی گئی ہے۔ زمانہ جاہلیت کی بت پرست قوم میں اس بات کا اعتراف کرتی تھیں کہ ارض و سماء کا خالق اور رب ایک ہے۔ باوجود اس کے وہ کہتے تھے :

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔ (۳۸ : ۵)	کیا اس نے تمام خداؤں اور معبودوں کو ایک کر ڈالا۔ (غضب کیا)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے اس اعتراف پر کہ زمین و آسمان کا خالق اور متصرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، توحید الوہیت کا قائل کیا۔ اور ان کو اپنا یہ اعتراف جو ان کی فطرت میں مرکوز تھا، بار بار یاد دلایا۔ اور یہ کہ اگر وہ عقل سلیم اور فطرت کی طرف رجوع کریں تو ان کے سامنے روز روشن کی طرح یہ حقیقت جلوہ گر ہوگی کہ جو ان کا خالق اور رازق ہے، وہی ان کا معبود اور لوازم الوہیت کا مستحق ہے۔

حنفاء کا مشہد خصوصی

حنفاء کا مشہد یہی ہے اور یہی ان پر غالب رہتا ہے جو تمام اسماء و صفات کا جامع ہے، اور اگرچہ ہر ایک بندہ بقدر اپنی معرفت کے اسماء حسنیٰ اور صفاتِ علیا کے معانی اور حقائق سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ کا اسم پاک جو الوہیت پر براہِ راست دلالت کرتا ہے، بالواسطہ تمام اسماء حسنیٰ کے مفہوم کو اپنے مفہوم میں لئے ہوئے ہے۔ (کیونکہ وہ تمام صفاتِ علیا جن پر مختلف اسمائے پاک دلالت کرتے ہیں، لوازم الوہیت میں سے ہیں) اور اسی لئے تمام اسماء حسنیٰ اس اسم پاک کی طرف (جو سب کا جامع ہے) مضاف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ہم کہ سکتے ہیں کہ "الرحمٰن الرحیم" یا "العزیز الغفار" اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہیں۔ لیکن بالعکس یہ نہیں کہ سکتے کہ "اللہ، رحمان رحیم کا نام ہے۔ بلکہ قرآن

پاک میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (۷ : ۱۸۰)	اللہ تعالیٰ کے نہایت اچھے نام ہیں اور تم اُسکو انہیں اسماءِ حسنیٰ سے پکارا کرو۔

ایک جامع اور حاوی مشہد

الغرض توحید الوہیت کا مشہد ایک ایسا مشہد ہے جس کے ضمن میں تمام دوسرے شہود داخل ہیں۔ کیونکہ ہر ایک دوسرا شہود اُس کی کسی صفت کا شہود ہوگا جو اُس کی الوہیت کو لوازم میں سے ہے۔ اور جس کے قلب میں توحیدِ الوہیت کا شہود سما جائے اور وہ اُس کی متعلقہ عبودیت کے حقوق اور وظائف میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔ یعنی کمالِ محبت کے ساتھ اُس کی انتہائی تعظیم بجالائے جس میں اپنی ذلت کو انتہا تک پہنچا دے تو اس حالت میں اس کو بے نیازی کا وہ درجہ حاصل ہوتا ہے جس کے بعد غناء کا اور کوئی درجہ نہیں۔ اور یہی وہ عالی پایہ غناء ہے جس کی طرف انہی فصول کی ابتدا میں اشارہ کیا گیا تھا اور جس کے آگے تمام دنیا جہاں کی بادشاہتیں اور مراتب سامیہ ہیچ ہیں۔

فصل ۱۳

غناءِ عالی کے تیسری درجہ کا حصول

تیسرے درجہ کی افضلیت

غناء کا تیسرا درجہ جس کا شیخ الاسلامؒ نے اپنے کلام میں ذکر کیا ہے سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ کیونکہ پہلا اور دوسرا درجہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُسکی جانب توجہ کرنے

کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ سچی توجہ کی برکت سے صفاتِ مقدسہ کے انوار دل پر فائض ہوتے ہیں جس سے قلب کو غناء حاصل ہوتا ہے۔ نیز انسان کے قلب پر ایک نُور فائض ہو کر اس میں اس بات کا احساس پیدا کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندہ کے لئے کفیل اور اُس کی تمام ضروریات کو پُورا کرنے والا ہے، وہ نہایت ہی اچھا وکیل اور کارساز ہے اور اُس کی خبر گیری اور تدبیر سب سے بہتر اور افضل ہے۔ اس احساس کی بدولت نفس کو غناء حاصل ہوتا ہے۔ لیکن غناء کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی کو غناء بالحق حاصل ہو۔

تجلیٔ ذات

تم جانتے ہو کہ جب سالک صفات کے آثار کو چھوڑ کر اور اُس سے ترقی کر کے آثارِ ذات تک رسائی حاصل کرتا ہے، تب اس کو واحدِ حق کے ساتھ بے نیازی کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ مکاشفہ عین الیقین کا نتیجہ ہے جبکہ آفتاب توحید کے طلوع ہونے کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ یہ اس کی ابتداء ہے۔ اس کا درجۂ کمال یہ ہے کہ آفتاب مذکور طلوع ہو کر وجودِ فانی کے کُہر کو مضمحل کر دے اور وجود باقی کی جھلک صاف طور پر دکھائی دے۔ بالفاظِ دیگر اُس کے قلب پر ایک خاص نور فائض ہوتا ہے جس کے طفیل ذاتِ پاک کی عظمت اُس کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے۔ (غالباً صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اسی حالت کا نام تجلیٔ ذات ہے) جیسا کہ اس سے پیشتر پہلے اور دوسرے درجہ میں صفاتِ علیا کی عظمت کا اس کو مکاشفہ ہُوا تھا۔

انوارِ ذات کا پَرتَو

جبکہ صفاتِ ذات اور صفاتِ افعال کے آثار قلب اور نفس کے غناء کا موجب ہوتے ہیں، تو اب تم خود اندازہ لگا لو کہ جب قادرِ قیوم ذوالجلالِ والاکرام

کی انوارِ ذات کسی کی روح پر اپنا پرتو ڈال دیں تو اُس کو کونسا درجہ غنا رکا حاصل ہوگا؟ اس بے نیازی کا صحیح تصوّر دلانے سے الفاظ قاصر ہیں، اور عبارت میں اس کی شرح نہیں کی جا سکتی۔ صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ایک فقیر اور سراپا نیاز بندہ عزیز رحیم خدا کے ساتھ بے نیازی حاصل کر لیتا ہے جو زائل ہونے والی نہیں، جس کی لذّت آرزو اور خیال سے بالاتر ہے۔ (سچ ہے ۔

گدائے مصطبہ ام لیک وقتِ مستی بیں — کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم)

(حافظ شیرازیؒ)

حصول کا ذریعہ

تمہیں چاہیئے کہ اس مقام تک پہنچنے میں کوتاہی نہ کرو اور اپنے آپکو اس کے حاصل کرنے سے عاجز مت خیال کرو، صدقِ طلب اور سچی عزیمت کی دیر ہے۔ جو کوئی آزاد منش ہے اور اپنے نفس کی قدر و قیمت پہچانتا ہو جس کی حمیت یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ اپنے آپ کو سستا فروخت کرے، اسکے لیئے ان مراتبِ عالیہ کا حاصل کرنا دشوار نہیں۔

انسان کی پیدائش کا مقصد

کتب سابقہ میں ہے: اے آدم کے بیٹے! میں نے تم کو اپنے لیئے (اپنی معرفت اور عبادت کیلئے) پیدا کیا ہے، اس لئے اپنا وقتِ عزیز کھیل کود میں نہ گنواؤ۔ تمہارے لئے روزی پہنچانے کا میں ذمہ دار ہوں۔ اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالو۔ میری طلب کرو، مجھے پاؤگے۔ اور جب تم نے مجھ کو پا لیا تو سمجھ لو کہ تم نے سارا جگ پایا۔ لیکن اگر (تم نے مجھ کو چھوڑ دیا اور) میں تم کو نہ ملا تو پھر تم نے کچھ بھی نہیں پایا۔ حالانکہ میں تمہارا سب سے زیادہ محبوب ہوں۔"

حصول کے نتائج

الغرض جس کی طلب صادق ہے، وہ اُسکو ضرور پالیگا اور جس نے اُسکو پا لیا وہ اُس کو تمام ماسوا سے بے نیاز کر دیگا۔ وہ بے نیاز ہوکر آزادی اور ہیبت کی زندگی بسر کریگا، اور اُس کے چہرے پر اُسکے انوار برس رہے ہوں گے لیکن اگر مولائے پاک اُس کو نہیں ملا تو وہ اپنی اُمیدوں میں ناکام رہیگا اور اُس کی تکلیف بہت طول کھینچے گی۔

برخلاف اس کے جس نے مذکورہ بالا غناء حاصل کر لیا اُس کا وجود ہر ایک چیز کیلئے خنکیٔ چشم کا موجب ہوگا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کو اللہ تعالیٰ کے مل جانے سے خنکیٔ چشم حاصل ہو چکی ہے۔ اور یاد رکھو کہ جس کو یہ دولت حاصل نہیں ہوئی، یعنی دولتِ وصل نصیب نہیں ہوئی، اُس کا دل دُنیاوی حظوظ کو ہاتھ سے نکل جانے پر ارمان سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگا۔

فرمانِ مصطفویؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں: جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اُس کا سب سے بڑا پیشِ نظر مقصدِ دُنیا کا حصول ہو، اُس کی آنکھوں کے سامنے فقر اور احتیاج کا نقشہ جما رہیگا، وہ پریشانی کی زندگی بسر کریگا، اور دُنیا میں سو بھی وہی کچھ حصّہ پائیگا جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے مقدر فرمایا ہے۔ لیکن جس کا سب سے بڑا پیشِ نظر مقصدِ آخرت ہے، اللہ تعالیٰ اُسکے دل کو بے نیازی سے مالا مال کر دیگا، اُس کے قلب میں اطمینان ڈال دیگا، دُنیا ذلیل ہوکر اُس کے پاس آئیگی اور ہر ایک موقعہ پر اللہ تعالیٰ اُس کی بہبودی کے لئے مسارعت فرمائے گا۔

یہ اُس شخص کے غناء اور بے نیازی کی کیفیت ہے جس نے آخرت کو اپنا

سب سے بڑا پیش نظر مقصد بنا لیا ہو۔ لیکن اگر کسی کا سب سے بڑا پیش نظر مقصد خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ ہو؟ (تو اُس کا حال اللہ کو معلوم ہے)۔

فصل ۱۴

فقر اور غناء

اکابرِ طریقت کے اقوال

اِس فصل میں چند ایک عبارتیں نقل کی جاتی ہیں جو فقر اور غناء کے بارے میں اکابرِ طریقت سے منقول ہیں:

یحییٰ بن معاذؒ کا قول

یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں "فقر یہ ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے اور کسی چیز کے ساتھ تم کو استغناء حاصل نہ ہو۔ اور اُسکی علامت یہ ہے کہ اسباب بالکلیہ معدوم ہو جائیں"

ابن قیمؒ کی تشریح

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں، معدوم ہونے سے مُراد یہ ہے کہ اُن پر اعتماد نہ کیا جائے اور نہ ہی اُن کے وجود کو ملحوظ رکھنے سے اطمینان حاصل ہو۔ بلکہ مسبب الاسباب کی اولیّت کا مشاہدہ اس قدر غالب ہو جائے کہ اسباب اور وسائل نظر سے غائب ہو جائیں۔

محمد بن عبداللہ کا قول

محمد بن عبداللہ فرغانیؒ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف افتقار کے کیا معنی ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ استغناء حاصل کرنے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح طور پر افتقار حاصل ہو، تو اس کے ساتھ استغنار کا حصول صحیح معنوں میں لازم ہے۔ و بالعکس۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کونسا ان میں سے کامل تر ہے، کیونکہ دونو کی تمامیت اور کمال ایکدوسرے پر موقوف ہے۔

فقر اور غنار کا فرق اعتباری

میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استغنار حاصل کرنا بعینہٖ اس کی طرف افتقار ہے اور دونو کے معنی ایک ہیں۔ کیونکہ استغنار باللہ کا کمال بعینہٖ عبودیت کا کمال ہے۔ اور عبودیت کی حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک طرح سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف افتقار رکھتا ہو۔ اس لئے افتقار الی اللہ اور غناء باللہ دراصل ایک چیز ہے اور تفضیل یعنی ایک کو دوسرے پر فوقیت دینے کی بحث تو دو مغائر چیزوں میں پیش آتی ہے۔ ما نحن فیہ میں افتقار اور استغناء کی اثنینیت کا وہم صرف اس لحاظ سے پیدا ہوتا ہے کہ جس چیز کے ساتھ غنار حاصل ہوا، وہ اور ہے اور جس کی طرف احتیاج اور افتقار ہے، وہ اور ہے۔ لیکن باعتبار حقیقت کے ان دونو کے مفہوم میں کچھ مغائرت نہیں، کیونکہ اس کو غنار بدیں اعتبار کہا جاتا ہے کہ تمام موجودات فانیہ سے اسکو فراغ حاصل ہوتا ہے اور فقر کا اطلاق اس پر اس لئے کیا جاتا ہے کہ اُس کی تمامتر ہمت اور توجہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک پر محدود رہتی ہے۔ اس کی ہمت نے ایک چیز سے جدائی اختیار کی ہے اور دوسری چیز سے اتصال پیدا کیا ہے۔ پہلے اعتبار سے اس کا نام "غنار" ہے اور دوسرے اعتبار سے اس کا نام "فقر" ہے۔ اتصال پیدا کر لینے کے بعد اُس کو اس کے ساتھ غنار حاصل ہونا ہے کیونکہ اس کا تمامتر فقر اور احتیاج اسی کی طرف ہے۔ (اور جب اس کا وصل حاصل ہو گیا تو فقر کی بجائے غنار آگیا) لیکن یہ فقر اُس پہلے فقر کے علاوہ ہے اور یہیں پر اُس کا فقر درجۂ کمال کو پہنچتا ہے۔

رُویمؒ کا قول

رُویمؒ سے فقر کی بابت پوچھا گیا تو اُس نے کہا "نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں کُھلا چھوڑ دینا"

ابن قیمؒ کی توضیح

میں کہتا ہوں اگر احکام سے مُراد دین اور شریعت کے احکام ہیں، تب تو صحیح ہے۔ لیکن اگر اس سے مراد قضا و قدر کے تکوینی احکام ہیں تو اس طرح دُرست نہیں بلکہ اس میں تفصیل کرنا چاہئیے، جیساکہ پہلے مذکور ہوا۔ کیونکہ نفس کو اُن احکام میں کُھلا چھوڑ دینا، جن کو اللہ تعالیٰ مبغوض سمجھتا ہے، یا جن کی مدافعت دوسرے احکام کونیہ کے ذریعہ واجب ہے، عبودیت کے دائرہ سے خارج ہونے کو مرادف ہے۔

ایک عارف کا قول

کسی عارف کا قول ہے کہ "فقیر تین باتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ اپنے سِر کو محفوظ رکھے، دوسرے یہ کہ اپنے فرائض کو ادا کرے، تیسرے یہ کہ اُسکا فقر محفوظ اور مصئون ہو"

ابن قیمؒ کی تصریح

میں کہتا ہوں، سِر کو محفوظ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ اغیار کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے، اور اس بات پر غیرت کھائے کہ کسی نااہل کی دست درازیوں کا نشانہ بنے۔ فرائض ادا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ عبودیت کے حقوق بجا لانے میں کوتاہی نہ کرے۔ فقر کا محفوظ اور مصئون رکھنا یہ ہے کہ اغیار کے ساتھ سکونت رکھنے سے اس کو ملوّث نہ کرے اور ہر ایک ایسی بات سے احتراز کرے جو اس میں خرابی واقع ہونے کا موجب ہو، اور جہاں تک ہو سکے اپنے فقر کو پوشیدہ رکھے۔

ابراہیم بن ادھمؒ کا قول

ابراہیم بن ادھمؒ کہتے ہیں" ہم نے فقر کو طلب کیا تو غناء نے ہمارا استقبال کیا" اور لوگ غناء کی طلب میں مشغول ہوئے تو اُن کو فقر پیش آیا"۔

غناء کے متعلق یحییٰ بن معاذؒ کا جواب

یحییٰ بن معاذؒ سے غناء کی بابت سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ امن حاصل کرنے کا نام غناء ہے"۔

فقر کے متعلق ابو حفصؒ کی تصریح

ابو حفصؒ سے کسی نے پوچھا کہ فقیر کو کس حالت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہیئے؟ آپ نے فرمایا" فقیر کیلئے مناسب نہیں کہ وہ فقر کے بغیر کوئی اور چیز لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو"۔

اہلِ عرفان کا فقر

بعض اہلِ عرفان کا قول ہے کہ" سچا فقیر غناء سے اس لئے ڈرتا ہے کہ کہیں اُس کے فقر کو نہ بگاڑ دے، جیساکہ ایک حریص غنی کو یہ خوف ہوتا ہے کہ فقر اُسکے غناء کو تباہ نہ کردے"۔

بشر بن الحارثؒ کی فقر کا اعلیٰ مقام

بشر بن الحارثؒ کا قول ہے کہ" فقر پر صبر کی گرہ لگا کر قبر تک اُس کو ساتھ لے جانا اعلیٰ ترین مقام ہے"۔

ابن الجلاءؒ کی فقر کا اطلاق

ابن الجلاءؒ سے دریافت کیا گیا کہ فقیر پر کب فقر کا اطلاق ہوتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ" جب اُس کے پاس اس کا کچھ بھی بقیہ نہ رہے"۔ سوال کیا گیا کہ کیسے؟ آپ نے کہا" جب وہ اس کے لئے ہوگا تو وہ اس کا نہیں، اور جب

اس کا نہیں رہا تو اب وہ اس کا ہے۔"

علامہ کی شرح

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں، اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک حظِ نفس یا اُس کا کچھ شائبہ باقی ہے، اس وقت تک آدمی کمال اور سعادت سے محروم رہتا ہے۔ لیکن جب اُس کا سب کچھ رب تعالیٰ کے لئے ہو جائے تو سمجھ لو کہ اُس نے تمام مُرادیں پالیں۔ کیونکہ جب انسان، اللہ کا ہو جائے تو وہ اُسی کا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ اللہ کے لئے نہیں تو اللہ بھی اُس کا نہیں، اور پھر اُس کا اپنا نفس بھی اُس کا نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ اُن لوگوں میں سے ہوگا جنہوں نے اپنے نفس کو خسران اور گھاٹے میں ڈالا۔

اہلِ معرفت کے فقر کی حقیقت

بعض اہلِ معرفت، فقیر کی حقیقت یوں بتاتے ہیں کہ "فقیر اپنے فقر میں کسی چیز کے ساتھ بھی استغنا حاصل نہ کرے، بغیر اُس چیز کے جس کی طرف وہ محتاج ہے اور جبکا وہ فقیر ہے۔"

ابو حفصؒ کی توسّل باللہ کا بہترین ذریعہ

ابو حفصؒ کہتے ہیں "بندے کے لئے اپنے مولائے پاک کے ساتھ توسّل حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہر حالت میں ہمیشہ کے لئے اُس کا محتاج رہے اور اپنے تمام افعال میں سنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی پابندی کرے، اور حلال کی روزی کما کر کھائے۔"

ایک عارف کا فقر

ایک عارف کا قول ہے "فقیر کو چاہیئے کہ اُس کی ہمّت اور اُس کا قدم ساتھ ساتھ رہیں۔" (ہمّت اُس کے قدم سے آگے نہ بڑھ جائے)۔

ابن قیمؒ کی تشریح

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں "قائل کی مُراد یہ ہے کہ واجباتِ وقت کا خیال رکھے اور اور ان کی تکمیل سے پہلے اُس کو اپنی ہمت آگے نہیں بڑھانا چاہئے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ طولِ امل میں مبتلا نہ ہو۔ اور اُس کی ہمت کا مطمحِ نظر کوئی ایسا وقت نہ ہو، جس تک پہنچنا اُس کے دل میں خطور نہیں کرتا۔ نیز اس میں اس بات کا بھی اشارہ موجود ہے کہ وہ اپنی تمام تر ہمت اور توجہ وقتِ حاضر سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر مبذول رکھے، اور اپنی توجہ کو مختلف اوقات کے ساتھ وابستہ کرکے تشتت اور انتشار کی وجہ سے اُس میں ضعف نہ پیدا کرے۔

چار باتوں کا التزام

ایک قول ہے کہ "فقیر کو کم از کم چار باتوں کا التزام کرنا چاہیئے:

• ایک علم، جو اُس کی رہنمائی کرے اور جس کے مقتضیات پر وہ عمل کرے۔

دوسرے پرہیز، جو اُس کو ناپسندیدہ باتوں سے بچائے رکھے۔

تیسرے یقین، جو اُس کو عمل پر آمادہ کرے۔

چوتھے اللہ تعالیٰ کی یاد، جو اُس کی مونسِ جان ہو۔"

ابوسہیلؒ اور منصورؒ کا مکالمہ

ابوسہیل خشابؒ نے ایک مرتبہ منصورؒ سے کہا کہ "بیشک فقر، فقر و ذلّت ہے۔"

اُس نے کہا "نہیں، بلکہ فقر، عزّت ہے۔"

ابوسہیلؒ نے کہا "فقر، فرشِ خاک ہے۔"

منصورؒ نے کہا "نہیں، بلکہ فقر، عرشِ پاک ہے۔"

ابن قیمؒ کا تبصرہ

میں کہتا ہوں "ابوسہیلؒ نے فقر کی ابتدا اور منصورؒ نے اسکی انتہا بیان کی ہے۔"

جنید بغدادی رح کا قول

جنید بغدادی رح کا قول ہے کہ "جب تم فقیر سے ملو، تو اُس سے نرمی کرو اور علم کے ساتھ اُس کے پیش نہ آؤ۔ کیونکہ نرمی اُس کو اُنس دلائیگی اور علم اُس کیلئے وحشت اور نفرت کا موجب ہوگا۔" راوی کہتا ہے "میں نے کہا: "اے ابو القاسم! وہ کیسے فقیر ہوگا جس کیلئے علم وحشت کا موجب ہو۔" اُس نے کہا "ہاں! فقیر اگر سچا ہے اور تم اپنا علم جتانا شروع کرو تو وہ اس طرح پگھلنے لگ جائیگا جس طرح قلعی آگ میں پگھلنے لگ جاتی ہے۔"

ابو المظفر رح کا قول

ابو المظفر قرمیسی رح کہتے ہیں "فقیر وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی حاجت نہ ہو۔"

ابو القاسم رح کی توجیہ

ابو القاسم قشیری رح کہتے ہیں "جو کوئی صوفیہ کرام رح کے اصولِ موضوعہ اور پیرایۂ بیان سے واقف نہیں، اُس کو اس فقرہ کا مفہوم سمجھنے میں کسی قدر دقت ہوگی۔" اِس کے قائل کی مُراد یہ ہے کہ فقیر وہ ہے جو اپنے مطالبات کو چھوڑ دے اور اپنی پسند کو ترک کر دے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اُس کے حق میں مقدر فرماتا ہے اُسی پر راضی رہے۔"

ابن قیم رح کی تحقیق

میں کہتا ہوں۔ باوجود اس تشریح کے بھی اس میں استدراک کی گنجائش ہے کیونکہ اِس بندۂ خاص کو جو حاجتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنی ہیں، وہ اتنی بے شمار ہیں، جتنے کہ اُس کے سانس۔ اس کی حاجتیں دوسرے اہلِ حظوظ کی طرح نہیں، بلکہ اِس کی اور اُن کی حاجتوں میں قطرہ اور دریا کی نسبت ہے، چنانچہ اِس کو ہر ایک لمحہ میں اِس بات کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حال اُسکو عنایت

فرمایا ہے، وہ قائم رہے اور زائل نہ ہو، اور اس کا قلب استقامت سے نہ ڈگمگائے؟ اس کو مقاماتِ عبودیت میں ترقی بخشے، اور ایسے اُمور سے اسکو محفوظ رکھے، جو اس کی ترقی کیلئے مانع اور اس کو بگاڑنے والے ہیں۔ اس کو وہ اپنے فضل و کرم سے ہر ایک حالت میں اور ہر ایک موقعہ پر اسکو اپنی رضامندی سے واقف کرے، اور اس کو توفیق دے کہ وہ اُس کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو۔ جو باتیں اس کی سخط اور ناراضی کا موجب ہیں، اُن پر سے اس کیلئے پردہ اُٹھادے، اور اپنی حفظ اور صیانت کو اُس کا مددگار بنائے۔

اب تم خود بتاؤ کہ بھلا اور کون ہو سکتا ہے جس کی حاجتیں اس فقیر سے زائد ہیں؟ اس لئے عبارتِ مذکورہ بالا کو ان الفاظ میں بدل دینا چاہئے فقیر وہ ہے جس کو سانس کی گنتی کے برابر بلکہ اس سے بھی زائد حاجتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنی پڑیں۔ کیونکہ بندہ کو ہر ایک لمحہ میں متعدد حاجتیں پیش آتی ہیں جن میں سے اکثر کا خود اُس کو بھی علم نہیں ہوتا، اس لئے سب سے بڑھ کر فقیر وہ ہے جو ان حاجتوں کو محسوس کرتا ہو، اور پھر صحیح طریقہ سے ان کو صحیح معدن سے طلب کرے۔ اور اگر خواہ مخواہ اسی عبارت میں فقیر کی تعریف کرنا مقصود ہو، بجائیکہ اس مُوہم عبارت کو استعمال کرنے کی مطلق ضرورت نہیں تو پھر اس طرح کہنا چاہئے: فقیر وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی حاجت نہ ہو، جو اُسکی رضامندی کے مخالف ہے یا اُس کے حق میں عبودیت کے مقام سے انحطاط کا موجب ہو۔ لیکن مطلق اس طرح کہنا کہ فقیر وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف حاجت نہ ہو، یقیناً بہت بُری غلطی ہے۔

ابُوالقاسم رحمہ کی تاویل پر تبصرہ

جو تاویل ابُوالقاسم قشیری نے اس کلام کی کی ہے، وہ صرف بعض حالات

میں صحیح ہو سکتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ مقدر کی ہوئی باتیں جو انسان کو اختیار سے بالکل باہر ہوتی ہیں اور ان کے دفع کرنے یا ان سے بچاؤ حاصل کرنے میں اس کا کچھ بھی بس نہیں چلتا۔ لیکن اس قسم کی باتیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مقدر تو فرمایا ہے تاہم دوسرے ایسے اسباب بھی مقدر فرمائے ہیں جو موانع اور دوافع کا کام دیتے ہیں اور وجوباً یا استحباباً ان مدافعانہ ذرائع استعمال کرنے کا امر بھی فرمایا ہے، ایسی حالتوں میں رضا و تسلیم اختیار کرنا اور مدافعت کے لئے کسی قسم کی جدوجہد نہ کرنا عین عجز ہے جس پر اللہ تعالیٰ انسان کو ملامت فرماتا ہے۔

ابن خفیفؒ کا فقر

ابن خفیفؒ کہتے ہیں "فقر کے معنی ہیں املاک (جمع ملک) کا معدوم ہو جانا اور صفات کے احکام سے باہر نکل آنا"

ابن قیمؒ کی تشریح (تبدیل صفات)

میں کہتا ہوں اس کا یہ مطلب ہے کہ کسی چیز کو اپنی طرف بالکل حیثیت سے منسوب نہ کرے اور اپنے نفس کی صفات پر جو احکام مترتب ہوتے ہیں اس سے باہر نکل آئے اور ان احکام کو اپنے مولائے پاک کے احکام سے بدل لے جو اس کی صفات علیا پر مترتب ہوتے ہیں۔ مثلاً قدرت اور اختیار انسان کی ایک صفت ہے جس کے نتیجے کے طور پر انسان اپنے لئے نفع اور تصرف کا ادعا کر سکتا ہے اور بدل دینے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی نظر قدرت ازلیہ کے احکام تک محدود ہو جائے جس کے مقابلے میں انسان محض اور مفلس و بے اختیار رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ استخارہ کی دعا میں ہے: اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسالک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب۔ (بار خدایا! میں تجھ سے تیرے علم سے

خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے حصولِ قدرت کا خواستگار رہوں اور تیرا بڑا فضل مانگتا ہوں۔ کیونکہ بیشک تو ہی قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا۔ اور تو جانتا ہے میں نہیں جانتا۔ اور تو تمام پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے)۔

اِس حالت میں انسان اپنے نفس کے صفات کو چھوڑ کر صفاتِ علیا کے احکام سے موصوف ہو جاتا ہے۔

ابو حفص رح کی شرط

ابو حفص رح کہتے ہیں "کسی کو فقیر کا مقام صحیح طور پر حاصل نہیں ہوتا، جب تک اُس کو لینے کی نسبت دینا اچھا معلوم نہ ہو۔ سخاوت یہ نہیں کہ توانگر مفلس کو کوئی چیز دے، بلکہ سخاوت یہ ہے کہ مفلس توانگر کو دے۔

بعض قائلین کا فقر

بعض کا قول ہے کہ "فقیر وہ ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے اپنے آپ کو اور کسی چیز کا محتاج خیال نہ کرے"۔

سہل بن عبداللہ رح

سہل بن عبداللہ رح سے کسی نے پوچھا "فقیر کو کب استراحت ملتی ہے؟" اُس نے کہا "جبکہ اُسکی نظر اپنے حق میں اُس وقت تک محدود ہو جس میں کہ وہ موجود ہے"۔

ابو بکر بن طاہر رح

ابو بکر بن طاہر کہتے ہیں "فقیر کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ اُس کے دل میں کسی چیز کی رغبت نہ ہو، اور اگر بالفرض رغبت ہو تو کفایت کی حدود سے تجاوز نہ کرے"۔

ایک عارف کے نزدیک سچا فقر

کسی عارف سے سچے فقیر کی بابت دریافت کیا گیا، اُس نے کہا "جو نہ خود مالک ہو

اور نہ کسی دوسرے کو مالک بنا سکے۔"

ذُوالنُّون مصری کا قول

ذُوالنون مصری کا قول ہے کہ" ایک شخص جو ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج خیال کرتا ہے' باوجود اس کے اُس کے احوال میں اختلاط اور تخلیط ہے' میرے نزدیک اُس شخص سے بہتر ہے جس کو ہمیشہ کے لئے صفاءِ احوال ہے لیکن وہ خود بین ہے۔"

فصل ۱۵

سچّے فقیر کے اوصاف

حقیقی تارکُ الدُّنیا

ایک سچّے فقیر کی صفت یہ ہے کہ دُنیا سے دستبردار ہو کر اُس کو چھوڑ دے' دُس کو ایک آلودگی سمجھ کر اُس سے کنارہ کش ہو جائے' اُسکو اہمیت دیکر اپنے لئے غنا کا موجب خیال نہ کرے' اُس کو اپنی ملک سمجھ کر اُس میں تصرّف نہ کرے' اور نہ ہی اِس خیال سے افزون طلبی کرے۔ اب اگر کوئی دُنیا بھر کے خزانوں کا بھی مالک بن جائے اور اُس میں یہ صفتیں موجود ہوں تو اُس کے لئے دُنیاوی جاہ و جلال مضر نہیں۔ بلکہ وہ شخص فقیر ہے باوجود اس کے کہ بظاہر وہ غنی ہے۔

صاحبِ حال

نیز فقیر کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے حال کے اعتبار سے بھی فقیر ہو یعنی حال پر اُس کو مطلق التفات نہ ہو اور اُس کے ملحوظِ خاطر رکھنے سے اُسکو تسکین نہ ہو۔ بالفاظِ دیگر احوال کے ساتھ ٹھیرا نہ رہے اور اُن پر اعتماد کر کے اپنے آپ

بے نیاز خیال نہ کرے، اور نہ ہی وہ اِس لئے اِن کا محتاج ہو کہ اِن سے اُس کو سکون اور تسلی حاصل ہوتی ہے۔

ترکِ مُراد

فقیر کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ صبر، رضا، توکل اور انابت کے مقامات میں اللہ تعالیٰ کی موافقت پر عمل پیرا ہو۔ اپنی خواہش نفسانی کے مقتضا پر عمل نہ کرے۔ جس کا بالفاظِ دیگر یہ مطلب ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی مُراد حاصل کرنے کے لئے کوشاں نہ ہو۔ کیونکہ فقیر وہ ہے جس کا ظاہر اور باطن خدائے تعالیٰ کے لئے ہو، وہ اپنے نفس کی مراد کا کبھی خواہاں نہیں ہوتا، اُس کے احوال اور مقامات میں ہوائے نفس کو کچھ بھی دخل نہیں، بلکہ واحدِ حق کے شہود نے اُس کو اپنے نفس کے شہود سے غائب کر دیا ہوتا ہے، اور اس لئے اُس کا ہر ایک ارادہ اللہ تعالیٰ کی مُراد کے تابع ہوتا ہے۔

فقیرِ صادق کی شناخت

فقیر کا بھروسا تمام تر اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، اور اُس کی اولوالعزمی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری چیز پر نہیں ٹھیرتی وہ اللہ تعالیٰ کی پاک محبت میں مستغرق ہو کر ماسوی اللہ کی محبت سے فنا ہو جاتا ہے، اُسی کے اوامر میں اپنی خواہش نفس کو مدغم کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حُسنِ انتخاب کے اعتماد پر اپنی پسند سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے مقاصد کچھ اور ہوتے ہیں اور اُس کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے، خشوع اور خضوع اُس کے حرکات سے نمایاں ہوتے ہیں، تواضع اُس کی صفتِ لازمہ بن جاتی ہے، اُس کا قلب سلیم ہو جاتا ہے، وہ بہت جلدی حق قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف دوڑ پڑتا ہے، وہ اپنی زبانِ قال یا حال سے کسی قسم کا دعویٰ نہیں کرتا، اور نہ اُس کے دل میں کوئی ایسی تعلّی خطور کرتی ہے، وہ تمام ماسوا

سے نفرت کرتا ہے اور جو چیز اُس کو اللہ تعالیٰ کے قریب بنائے، اُسی کی طرف اُس کی رغبت اور میلان ہوتا ہے، گو بظاہر لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا ہے لیکن دراصل اُس کا ان سے تعلق بعید ترین ہوتا ہے، جس چیز سے وہ وحشت کرتے ہیں، اُسی چیز سے ان کو اُنس حاصل ہوتا ہے و بالعکس۔

قیود سے آزادی

فقیر رسوم کی قید سے آزاد ہوتا ہے اور دُنیاوی اغراض اُس کو غلام نہیں بنا سکتے۔ کسی چیز کے حصول کی خوشی نہیں، اور اُس کے چلے جانے یا میسر نہ ہونے کا رنج نہیں۔ جو شخص اُس کے ساتھ ہمنشیں ہوگا، اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی اور جس شخص کی اُس پر نظر پڑے گی اُس کو خدا یاد آ جائیگا۔

تحمّل، ہمدردی اور جاں نثاری

فقیر، لوگوں پر اپنا بوجھ مطلق نہیں ڈالتا مگر اُن کی تکلیف اُٹھانے کے لئے وہ تیار رہتا ہے۔ کسی کو آزار نہیں دیتا، لیکن اگر کوئی دوسرا اُسے آزار پہنچائے تو وہ اُس کو خوشی سے برداشت کرتا ہے۔ ہر وقت دوسروں کی خیرخواہی میں رہتا ہے اور اپنی جان، مال اور آبرو کو اُن کے لئے وقف کئے ہوئے ہوتا ہے۔ جس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اُن سے کسی قسم کا معاوضہ چاہتا ہے یا اپنا انتقام لینے سے عاجز ہے۔

بقیہ اوصاف

فقیر فضول باتوں میں اپنے آپ کو مشغول نہیں کرتا اور نہ ہی خُدا کے دئے ہوئے مال اور رزق میں بُخل کرتا ہے، سچائی، پاک دامنی، ایثار، تواضع، بُردباری اور متانت اُس کے خاص اوصاف ہوتے ہیں۔ جو کچھ وہ لوگوں کو دیتا ہے اُس کا صلہ کسی شکل میں اُن سے نہیں چاہتا۔ وہ کسی کو جھڑکتا نہیں، کسی سے جھگڑتا

نہیں، اور نہ کسی سے کچھ مطالبہ کرتا ہے۔ وہ کسی پر اپنا حق نہیں سمجھتا اور نہ کسی پر احسان جتاتا ہے، وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی عزّت کرتا ہے، اور وقت کی قدر کرتا اور اپنے کام میں مشغول رہتا ہے۔ اپنی زبان کو ضبط میں رکھتا ہے۔ دن رات میں اُس کا کوئی لحظہ اور لمحہ سلوک الی اللہ سے خالی نہیں ہوتا۔ اُس کو پاک محبت اور شوق کے داعی نے اپنی طرف بُلایا تو وہ سر کو پاؤں بنا کر اُس کی جانب دوڑا اور تمام تر اُسی میں محو ہو گیا۔ ؎

وانما یحمد القوم السُّری عند الصباح

ترجمہ: "قوم کو اپنی شب روی کی قدر اُس وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ وہ صبح سویرے منزلِ مقصود تک پہنچ جاتی ہے۔ (اور دوسرے لوگ جنھوں نے خواب نوشیں کو ترجیح دی، بیابان میں پڑے بھٹکتے ہیں)"

نوٹ: اِس کے بعد علامہ ابن قیمؒ نے ایک طویل عربی قصیدہ لکھا ہے جس کا ماحصل تمام تر ان مقاماتِ عالیہ اور احوالِ سامیہ کی تحصیل کی ترغیب اور تشویق ہے۔ جس کا ترجمہ عام ناظرین کے لئے خاص دلچسپی کا موجب نہ ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ اصل کتاب مطبوعہ مصر میں صفحہ ۶۲ سے صفحہ ۶۶ تک درج ہے۔ (مترجم)

باب ۳

انسان اور حوائجِ ضروریّہ

فصل ۱

ذی حیات کی ضروریات

نافع اور مُضر

یہ ایک ایسا قاعدہ ہے جس کی اہمیت انسان کے لئے اُس کی غذا اور تنفس سے بھی بڑھ کر ہے، بلکہ اُس رُوح سے بھی زائد ہے جس سے اُسکی زندگی کا قیام ہے۔

بیشک ہر ایک چیز جو زندہ ہے اِس بات کی محتاج ہے کہ اپنے لئے اشیاءِ نافعہ حاصل کرے اور مُضر اشیاء کو اپنے سے دفع کرے۔ اشیاءِ نافعہ سے مُراد وہ چیزیں ہیں جن سے اُس کو لذّت اور سرُور حاصل ہو، اور مُضر اشیاء وہ ہیں جو اُس کے لئے درد اور تکلیف کا مُوجب ہوں۔ لیکن اِس کے علاوہ اَور دو قسم کی چیزیں بھی ہیں: ایک وہ جو اُس کے لئے اشیاءِ نافعہ کے حصول میں مُعین اور مددگار ثابت ہوں۔ دوسرے وہ جو مضر اشیاء کے روکنے کا کام دیں، یا اُن کو دفع کرنے میں مدد دیں۔ الغرض، یہ سب چار قسم کی اشیاء ہوئیں، اور انسان کو بلکہ ہر ایک ذی رُوح کو انھی

سے واسطہ پڑتا ہے۔

انسان کا مطلوب

جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ انسان کو چار قسم کی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہو تو اب یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک انسان کا محبوب اور مطلوب ہو اور وہی اُس کے لئے حصولِ مطلوب کا مددگار بھی ہے۔ وہی معبود ہے اور وہی مُعین ہے[1]۔ اسی طرح یہ بھی جان لو کہ اُس کے ماسوا کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو تمہارے لئے مطلوب اور محبوب ہو سکے۔ بلکہ اُس کا وجود قسمِ ثانی سے ہو، جس کا شر دفع کرنے کے لئے بھی وہی واحد حق تمہارا مُعین اور مددگار ہو سکتا ہے۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کی تفسیر

اِس سے ثابت ہُوا کہ چاروں باتیں، جن کی تفصیل مندرجۂ بالا سطور میں کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ میں جمع ہیں۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ میں یہ مضمون نہایت خوبی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ کیونکہ عبادت اُسی کی کی جاتی ہو جو کامل ترین وجہ پر مطلوب اور مقصود ہو۔ اسی طرح استعانت کا مستحق وہی ہو جو حصولِ مطلوب اور دفعِ مکروہ دونو کے لئے تمہارا مددگار ہو سکے، اور وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔

عبادت اور استعانت

عبادت، اُس کی صفتِ الُوہیت کا مقتضا ہے، اور استعانت، اُس کی ربُوبیت کے آثار اور نتائج میں سے ہو۔ کیونکہ اِلٰہ وہی ہے جس کی محبت اور انابت اور غائت تعظیم و تکریم کے ساتھ عبادت کی جائے، اور رب وہی ہے جو اپنے بندوں کی پرورش کرے، اُن کو پیدا کر کے تمام اُن باتوں کی طرف اُن کی

---

[1] اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ میں اسی جلیل القدر حقیقت کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنے کی تعلیم دی گئی ہو۔ مترجم

رہنمائی کرے جن سے کہ اُن کو پیدائش کے بعد اپنا اپنا کمال حاصل ہو سکتا ہو۔
نیز تمام مُضر اشیاء اور موانعِ کمال سے محفوظ رہنے اور اجتناب کرنے کا اُن کے
لئے سامان مُہیّا کرے۔

قرآن کریم میں سات ایسی جگھیں ہیں جہاں پر اللہ تعالیٰ کی اِن دونو (معبُود
اور مُعین) صفتوں کو تصریحًا یا اشارۃً بیان کیا گیا ہے:

(۱) اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ (۱ : ۴)

(۲) عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔ (۱۱ : ۸۸ ، ۴۲ : ۱۰)

(۳) فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ (۱۱ : ۱۲۳)

(۴) عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا۔ (۶۰ : ۴)

(۵) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ۔ (۲۵ : ۵۸)

(۶) عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ۔ (۱۳ : ۳۰)

(۷) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ، رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۔ (۷۳ : ۸، ۹)

آفرینش کی غایت

مضمونِ بالا کی تائید میں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنی
عبادت کے لئے پیدا کیا جو اُس کی معرفت اور اُس کی محبت اور اُس کی طرف
انابت کرنے اور اُس کے حق میں خلوص رکھنے پر مشتمل ہے۔ اُسی کی یاد سے ان
سے دلوں کو تسکین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں اُسی کے دیدار
کے دلوں کو تسکین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں اُسکے دیدار سے اُن
کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔ آخرت میں کوئی نعمت اُس سے بالاتر اور اُنکے نزدیک اُس
سے محبوب تر نہیں کہ وہ اُسکے جمالِ کبریائی کا نظارہ کریں جیسے کہ اِس دُنیا میں کوئی نعمت
اُس سے بالاتر اور اُنکے نزدیک اُس سے محبوب تر نہیں کہ وہ اُس پر ایمان لائیں اور اُسکی

معرفت اور محبت میں سرشار ہوں۔

مقصود بالذات

یاد رکھو کہ وہ اپنے مولائے پاک کی عبادت کی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زائد محتاج ہیں، جیسا کہ وہ اپنی پیدائش اور رزق میں اُس کی ربوبیّت کے محتاج ہیں۔ کیونکہ یہی عبادت اُن کے لئے وہ مقصود بالذات چیز ہے جس کے برابر اور کوئی چیز اُن کے لئے مقصود اور مطلوب نہیں ہو سکتی۔ اسی کی بدولت ان کو سعادت اور کامیابی حاصل ہوگی۔

متحرّک اور عامل پیدا کرنے کی وجہ

اسی عبادت کے لئے ان کو زندہ متحرّک اور عامل پیدا کیا گیا ہے اور اُن کی تمام تر صلاحیت اور کامیابی اور حقیقی لذّت اور سرور اسی میں ہے۔ اور اُس کے بغیر اُس کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ (۲۰ : ۱۲۴)

جس کسی نے بھی میری یاد سے روگردانی کی، بیشک اُس کی زندگی تکلیف دہ ہوگی اور ہم اُس کو قیامت کے دن اندھا کھڑا کرینگے۔

فصل ۲

اسلام کا اصل الاصول

توحید ربوبیت اور نجات

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک گناہ کو اگر چاہے تو بخش دے۔ لیکن شرک کو ہرگز نہیں بخشتا۔ اسی لئے کلمۂ توحید کو "افضل الحسنات" کہا گیا ہے۔

اور توحیدِ الوہیت کو دینِ اسلام کا اصل الاصول قرار دیا ہے۔ لیکن توحیدِ ربوبیت جس کا سب مخلوق کو (چاہے موحّد ہو یا مشرک) اعتراف ہے، نجات کے لئے تنہا کافی نہیں (جبتک توحیدِ الوہیت اس کے ساتھ شامل نہ ہو، نجات حاصل نہیں ہوسکتی) لیکن باوجود اس کے توحیدِ ربوبیت بھی نہایت ضروری ہے، اور توحیدِ الوہیت کے منکرین کو قائل کرنے کے لئے زبردست دلیل ہے۔

نتیجۂ عبادت

صحیح حدیث میں ہے" بندوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ اُس کی عبادت کریں اور کسی کو بھی اُس کا شریک نہ بنائیں۔ اور بندوں کا اُس پر یہ حق ہے کہ جب وہ ایسا کریں تو وہ اُن کو عذاب نہ دے"۔ اور جب وہ اُس کے پاس حاضر ہوں تو وہ اُن کو عزت بخشے۔

جس طرح عبادت انسان کے لئے اُس کا انتہائی مطلوب ہے اور اُس کی سچی لذت اور سرور اسی میں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بندوں سے عبادت مطلوب ہے، اور جب اُس کا بندہ اس میں مشغول ہو تو وہ اُس کو نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے۔ اور جب آدمی اُس کی عبودیت اور طاعت کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اُس وقت جو خوشی حاصل ہوتی ہے، وہ اُس سے بھی زائد ہوتی ہے جو کسی ایسے آدمی کو حاصل ہو، جس نے اپنے سفر میں اپنی سواری کی اُونٹنی گُم کردی ہو، جس پر اُس کے کھانے پینے کا سامان بھی لدا ہوا تھا، اور وہ اُس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک کر بیٹھ گیا ہو، اور اُس کے ملنے سے وہ بالکل مایوس ہوگیا ہو، اور پھر اُس کو وہ اونٹنی خود بخود مل جائے۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اس سے بڑھ کر بھی بھلا کوئی خوشی ہوسکتی ہے؟

حقیقی خوشی کا ذریعہ

علیٰ ہذا القیاس انسان کے لئے بھی اس سے بڑھ کر خوشی نہیں کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کو موجود پاتا ہے جس کے ساتھ اس کو اُنس حاصل ہوتا ہے۔ وہ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اُس کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ اُس کی یاد سے اُس کے دل کو تسکین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اُس کی معرفت اور اُسکے شوقِ دیدار سے اپنے قلب کو معمور رکھتا ہے۔ تمام کائنات میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی چیز اُس کو ایسی نظر نہیں آتی ہے جس کو وہ اپنی توجہ کا قبلہ قرار دے اور جس سے اُس کو طمانیت اور خوشی حاصل ہو۔

یقینی ہلاکت کا ذریعہ۔

لیکن جو شخص غیر اللہ کو اپنا معبود اور محبوب ٹھیراتا ہے اُس کو بھی اگرچہ ایک قسم کا اُنس اور سُرور اور لذت محسوس ہوتی ہے مگر بعد کے آثار اور نتائج اُس کے حق میں بعینہٖ اسی طرح مُہلک ہوتے ہیں، جس طرح کسی لذیذ کھانے میں زہر ملا دی گئی ہو۔ جس کے کھانے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اس کا انجام یقینی ہلاکت ہے۔

قرآن شریف میں وارد ہوا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ (۲۱ : ۲۲)	اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے بغیر اور خدا بھی ہوتے تو یقیناً آسمان و زمین کے نظام میں خلل آجاتا۔ اسلئے پاک ہے وہ خدا جو عرش بریں کا مالک ہے اُن باتوں سے جس سے لوگ اُسکی وصف بیان کرتے ہیں۔

فصل ۳

نظامِ عالم کا قیام

ایک خدا

یہ ایک حقیقت ہے کہ زمین و آسمان اور دیگر مخلوقات کا قیام اور نظام ایک خدا کو اپنا معبود بنانے کے ساتھ وابستہ ہے، اور اگر کسی دوسرے کو معبود بنایا بھی جائے تو وہ سچا معبود نہیں ہوگا، جس کو عبادت کا مستحق کہا جا سکے۔ سچا معبود صرف ایک ہے جس کا کوئی شریک اور مثیل نہیں۔ اور تمام کائنات کی صلاحیت اسی میں ہے۔ بصورتِ دیگر تمام عالم کا نظام بکھر جائے۔ جیسا کہ تمام مخلوق کی پیدائش اور اُن کا وجود واحدِ قہار کی خالقیت کا محتاج ہے، اور یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی درجہ کے دو مساوی خالق موجود ہوں، اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ ان کی بقا، اور صلاحیت دو مساوی المرتبہ خداؤں کی الوہیت کا نتیجہ ہو سکے۔

توحید فی العبادت

جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ زمین و آسمان میں ایک ہی خدا ہے تو اب یہ سمجھ لو کہ انسان کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ ایک ہی خدا کی عبادت کرے، بلا شرکتِ غیرے اُسی ایک کو اپنا محبوب ٹھیرائے، اپنی بیم و اُمید کو اُسی ایک سے وابستہ رکھے، اُسی ایک پر اُس کا اعتماد اور بھروسا ہو، اُس کا ہر ایک عمل (جس پر وہ ثواب یا عذاب کو منحصر خیال کرتا ہے) محض اُسی کے لئے ہو، وہ کسی دُوسرے کی قسم نہ کھائے، کسی کی نذر اپنے مال میں مقرر نہ کرے، اُس کا خضوع اور خشوع

اور تذلل اُسی ایک کے سامنے ہو اور اُس کا سجدہ اور دیگر اقسامِ تقرب اور عبادت اُسی ایک وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لئے مخصوص ہوں۔ اور جتنا کہ بدن اپنی حیات اور بقاء کے لئے روح کا محتاج ہے، یا جس قدر آنکھوں کو نُورِ بصارت کی ضرورت ہے اُس سے بہت زائد آدمی اِن باتوں کا محتاج ہے۔

رُوح کی صلاحیت

رُوح اور بصارت بھی سمجھانے کے لئے ایک مثال ہے، ورنہ اسکی اہمیت کا صحیح اندازہ لفظوں میں اور مثالوں کے ذریعہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ انسان کی ذات کی حقیقت اور ماہیت اس کا روح اور قلب ہی اور وہ اپنی صلاحیت اور بقاء اور حیاتِ جاوداں کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے لوازمِ الوہیت بجالانے کا بعینہ اسی طرح محتاج ہے جس طرح کہ جسم اپنی چندروزہ بقاء کے لئے روح کا محتاج ہے۔ رُوح کو اِس دُنیا میں اس کی یاد کے بغیر اطمینان حاصل نہیں ہوتا، اور وہ اِس حیاتِ فانیہ میں (اپنی استعداد کے موافق) جدّوجہد کر کے اُسی کے ساتھ ملاقی ہوگا اور ایسا ہونا ضروری ہے، اور رُوح اور قلب کی تمام تر صلاحیت اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی عبودیت میں ہی۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس سے راضی ہو جائے، اور اُس کے نزدیک وہ عزت کا درجہ حاصل کرے۔

فصل ۴

دُنیاوی لذّات کی ناپائداری

حقیقی اور غیر حقیقی لذّتیں

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبودیت کے بغیر انسان کو ہر چند دوسرے کمالات

سرور اور لذات حاصل ہوں، وہ پائدار نہیں ہونگی، بلکہ اس قسم کے کمالات اور لذات ایک نوع سے دوسری نوع کو، اور ایک فرد سے دوسرے فرد کو انتقال کرتی رہتی ہیں۔ آج ایک شخص ان کے حصول کی وجہ سے لذت اور سرور میں ہے تو کل ان کے زوال کی وجہ سے تکلیف اور عذاب میں ہوگا۔ اور بعض اوقات تو یہ لذتیں اس قدر غیر حقیقی ہوتی ہیں جس کی مثال بعینہ حسب ذیل ہے۔

واضح مثال

ایک شخص کو خارش کی بیماری ہے، اُس کو بدن کے کھجانے میں بظاہر اتنا مزہ آتا ہے کہ وہ کھجاتے کھجاتے اپنے بُشرے کو چھیل ڈالتا ہے اور اُس کے جسم سے جا بجا خون بہنے لگتا ہے، اور یہ غیر حقیقی لذت بالآخر اُس کے حق میں ازدیادِ مرض اور تکلیفِ شدید کا موجب ہوتی ہے۔ بعینہ اسی طرح غیر اللہ کی محبت سے انسان کو جو لذت حاصل ہوتی ہے، اُسکی مثال کھجلی کی لذت کی ہے جسکا انجام عذاب اور ہلاکت ہے۔ اب اگر کوئی صاحب عقل ہے تو وہ ضرور حقیقی اور غیر حقیقی لذتوں کا آپس میں موازنہ کریگا، اور پھر اُس لذت کو ترجیح دیگا جو حقیقی اور پائدار ہے۔

خلاصۂ کلام

اِس تمام مبحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے واحد حق خدا کی عبادت سے ایک لمحہ بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اُس کی عبادت کا اتنا محتاج ہے جو ہر ایک ایسی احتیاج سے بالاتر ہے جس کا تصور کیا جا سکتا ہے (رُوح اور جسم کی احتیاج سمجھانے کے لئے اِس کی ایک مثال ہو سکتی ہے جیسا کہ مذکور ہُوا) اِس کے ماسوا سب کچھ باطل اور ہیچ ہے۔ اسی لئے امام الحنفا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا "لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ" (۶ : ۷۷) ترجمہ: مَیں مِٹ جانے والی باطل اشیاء سے محبت نہیں کر سکتا۔

فصل ۵

پہلا بُنیادی اصُول

اِنسان کی رُوحانی غذا

اِس کی بنا دو باتوں پر ہے جو اس مضمون کا بنیادی اصول ہے: پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اُس کی معرفت اور محبت، اُس کی عبادت اور پھر عبادت میں اخلاص، اور خاص اُسی پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا اور توکّل کرنا۔ یہ تمام چیزیں بذاتِ خود انسان کی روحانی غذا ہیں، اور اُس کی بقا اور قیام کا موجب ہیں۔ اہلِ ایمان کا یہی مذہب ہے اور قرآن کریم نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

عبادت کے متعلق غلط فہمیاں

یہ غلط (بالکل غلط) ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک تکلیف اور مشقت ہے جس میں قلب کے لئے کوئی لذّت اور سُرور نہیں بلکہ اس سے فقط بندہ کی آزمائش کرنا مقصود ہے۔" یہ اُن لوگوں کا قول ہے جو حکمت اور تعلیل کے منکر ہیں۔ نیز یہ کہنا بھی غلطی ہے کہ "آخرت کا اجر اور ثواب انسان کی اُس تکلیف کا معاوضہ ہے۔ کیونکہ اگر یہ معاوضہ نہ ہو تو اس حالت میں اُس کو خدا کا مخلوق ہونا پڑے جس سے اُس کی عیش مکدّر ہو جائے۔" یا جیساکہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ "اِن تکالیفِ شرعیّہ سے مراد نفس کی ریاضت اور تہذیب ہے تاکہ اس میں خالص حقائقِ عقلیہ قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو۔"

اصل حقیقت: اصل حقیقت ان تمام اقوال سے بالاتر ہے۔ محبوب کے اوامر کی تعمیل

کرنا خنکیٔ چشم اور مسرتِ قلب کا موجب ہوتا ہو اور روح اور قلب کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں۔ نماز اور حج میں اس کے لئے خنکیٔ چشم ہے، روزہ اور ذکر اور تلاوتِ قرآن میں اُس کے قلب کو انتہا درجہ کی خوشی حاصل ہوتی ہے، اور صدقہ کے تو کیا کہنے ہیں۔ اسی طرح جہادِ اعدار، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، لوگوں کو خدا کی طرف بلانا، دشمنانِ دین کی ایذائیں سہنا وغیرہ یہ وہ اُمور ہیں جن میں (ایک سچے مومن کے لئے) خاص خوشی کا سامان مضمر ہے۔ لیکن ؎

ذوقِ ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

مطالعۂ ماحول

پس ایسے شخص کے لئے جس کا فہم غلیظ اور طبع کثیف ہو، اور وہ خود اُسکی چاشنی سے لذت آشنا نہیں ہوُا، اِس بات پر غور کرنا چاہئے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جو انسان کو اپنے وطنِ عزیز کی مفارقت اور اپنے احباب اور اعزہ یہاں تک کہ اپنے سگے باپ اور بیٹوں کے ساتھ قطع تعلق کر دینے پر آمادہ کر دیتی ہے، بلکہ وہ اپنے اِن قریب تر عزیزوں کو اپنے ربّ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قتل کرنے تک سے دریغ نہیں کرتا۔ خدا کی راہ میں قتل ہونے کو وہ اپنا شرف سمجھتا ہے۔ اور اُس مدح اور تعظیم کی بجائے جو باطل کے اختیار کرنے سے حاصل ہو، مخالفین کی اِس ملامت اور مذمت کو ترجیح دیتا ہے جو اتباعِ حق کی وجہ سے اُس کو سُننا پڑے۔

محبانِ صادق اور عاشقِ زار

تم جانتے ہو کہ جب تک دل میں کوئی فوق العادت حلاوت، لذت اور سُرور پیدا نہ ہو، ایسی باتوں کا انسان سے ظہور میں آنا ناممکن ہے اور واقعات اس کے شاہد ہیں، بلکہ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو لذت اور سرور اللہ تعالیٰ کے

محبانِ صادق کو اُس کے اوامر کی بجا آوری میں حاصل ہوتی ہے، وہ اس سے بدرجہا زائد ہوتی ہے جو ایک عاشق زار کو اُس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے معشوق کے کسی حکم کی تعمیل کرے، اور اُس کو یقین ہو کہ اس سے اسکو اپنے معشوق کی رضامندی حاصل ہو گی۔ اس مضمون کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے اور وہی اُس کی سچائی کا معترف ہو سکتا ہے، جس کی مراد اور محبوب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہو، اور اُس کی معرفت اور محبت کو وہ اپنی حیاتِ جان سمجھے۔ اُسکی طرف توجہ کرنے اور اُس کی یاد میں مشغول ہونے سے اس کو خوشی ہُوا کرے، اور اسی میں اُس کے قلب کو تسکین اور اطمینان حاصل ہو۔

فصل ۶

دُوسرا بُنیادی اُصُول

آخرت کی روحانی لذات

دُوسری بات جس کو اس مضمون کا اصول کہہ سکتے ہیں کہ نعمائے آخرت کا رُوح درواں یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی دیدار سے مشرف ہو، اُسکی ہمکلامی کا فخر حاصل کرے، اور اُس کی رضامندی اور اُس کا قُرب اُس کو حاصل ہو۔ یہ غلط ہے کہ آخرت کی نعمتیں لذیذ مطعومات اور مشروبات کا حظ اُٹھانے، لباسِ فاخرہ پہننے اور حیوانی جذبات کو پُورا کرنے تک محدود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ جنّت کو جو لذت اپنے مولائے پاک کی لقا اور ہمکلامی سے حاصل ہو گی، وہ اس سے بالاتر ہے کہ اُس کا تصور کسی کے دل میں خطور کرے یا قوتِ خیالیہ اُس

کا خاکہ کھینچ سکے ۔

رسول اللہؐ کی دُعاء

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے اپنی صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا نقل کی ہے جس کا ایک فقرہ یہ ہے " واسالك لذة النظر الی وجهك واشوق الی لقائك فی غیر ضراء مضرة ولا فتنة مضلة ۔ (بارخدایا! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو اپنے چہرۂ زیبا کی طرف دیکھنے کی لذت عطا کر اور اپنے لقاء کا شوق بخش دے بغیر کسی تکلیف کے جو ضرر پہنچائے یا کوئی فتنہ جو گمراہ کر دے) ۔

محرومیٔ لقاء

اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام پاک میں کافروں کو دوزخ کی وعید سنانے سے بھی پیشتر محرومیٔ لقاء کی وعید سُنائی ہے ۔ سورۂ مطفّفین میں ارشاد ہوتا ہے :

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ، ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۔

(۸۳ : ۱۵ ، ۱۶)

جیسا کہ انہوں نے خیال کیا ہوا ہے ، ویسا ہرگز نہیں ، بیشک یہ لوگ اُس دن اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہینگے اور اس پر طرہ یہ کہ وہ دوزخ میں داخل ہونگے ۔

لذّتِ دیدار

الغرض محجوبیت اور محرومیٔ لقاء کا عذاب اُسکے دشمنوں کے حق میں دُوسرے تمام عذابوں سے بڑھکر ہے ، اسی طرح اُسکے دیدار کی لذت تمام دیگر لذائذ سے اس کے دوستوں کے لئے افضل ہے ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اُسکے دوستوں کے لئے کوئی جسمانی لذت اس کے برابر نہیں ہو سکتی کہ وہ اُسکے لقاء سے بہرہ یاب ہوں ۔ اُس کا کلام سُنیں اور اُس کا قُرب ان کو حاصل ہو ۔

فصل

اثباتِ مدعا کی دلیل

پہلی دلیل

مذکورہ بالا ہر دو اُصول قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں۔ اہل علم و ایمان کا اس پر اتفاق ہے، مشائخ طریقت اور اکابرِ معرفت نے اس موضوع پر بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔ اہلِ سنت و الجماعۃ کا یہی مذہب ہے۔ اور فطرتِ سلیمہ کو اس کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں۔

جو لوگ اِس حقیقتِ باہرہ سے انکار کرتے ہیں، علماءِ ربانیین اُن کو کبھی تو قرآن، حدیث اور آثارِ سلف کے ذریعہ قائل کرتے ہیں اور کبھی اُن کے مقابلہ میں ذوق اور وجدان کی دلیل لاتے ہیں، بعض اوقات ان کو فطرت پر توجہ دلاتے ہیں۔ اور جب یہ تمام ذرائع ناکام ثابت ہوں تو اُن کو بذریعہ قیاس و تمثیل سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہم نے اپنی ایک ضخیم کتاب موسومہ "المورد الصافی" میں جو اللہ تعالیٰ کی پاک محبت کے موضوع پر اور اُس کے اقسام و احکام کی بابت لکھی ہے، اِن سب طریقوں سے استدلال کیا ہے اور پُورے ایک سو سے بھی زائد ثبوت دئے ہیں۔

دُوسری دلیل

اِس مقصد کی توضیح اور اثبات میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مخلوق کو کسی دوسری مخلوق کے لئے کسی قسم کے نفع اور ضرر کا اختیار نہیں، اور نہ وہ عطا اور منع میں دخل رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے اپنے بندے کو پیدا کیا، اُس کے لئے روزی

کا سامان کیا، اس کو اپنی ضروریات پورا کرنے کے راستوں سے واقف کیا، اور طرح طرح کی نعمتوں سے اُس کو مالا مال فرمایا۔ اور باوجودیکہ وہ بے نیاز مطلق ہے، اور انسان اپنے گناہوں اور نافرمانیوں سے اُسکو ناراض کرنے میں کمی نہیں کرتا، پھر بھی وہ اُس کے ساتھ سلوک فرماتا ہے، جس سے خواہ مخواہ اُسکی محبت دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔

جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہی اُسکو رفع فرماتا ہے، اور اگر وہ اُس پر اپنا فضل فرمانا چاہے تو کوئی اُسکا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ چنانچہ اس آیتِ کریمہ میں اسی مضمون کی تصریح کی گئی ہے:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۔ (۱۰ : ۱۰۷)	اگر اللہ تعالیٰ تجھے تکلیف دینا چاہے تو اُسے ہٹانے والا کوئی نہیں مگر وہ خود اللہ۔ اور اگر تجھے بھلائی پہنچانی چاہے تو اُسکے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (۳۵ : ۲)	اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے اگر رحمت کا دروازہ کھول دے تو کوئی بند کرنیوالا نہیں۔ اور اگر بند کر دے تو کوئی کھول نہیں سکتا اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

تصرّفِ منع و عطاء

انسان کا انسان کو نفع یا ضرر پہنچانا یا کسی چیز کا دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے اذن اور ارادہ پر منحصر ہے، اور تمام تر تصرّف اور فرمانروائی ظاہر اور باطن میں اس سے پہلے بھی اور اس سے پیچھے بھی خاصۃً اُسی کے لئے ہے (اسمیں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا)

وہی دلوں پر قابض ہے اور ان میں حسبِ ارادہ تصرّف فرماتا ہے۔ ضرر، نفع، عطاء، منع، خفض اور رفع سب کچھ اُسی کے اختیار میں ہے۔ فرمایا:

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا۔ (۱۱ : ۵۶)

کوئی ایسا جانور نہیں جسکو وہ ماتھے کے بالوں سے نہ پکڑے ہوئے (یعنی ہر ایک چیز پر اُسکو پُورا پُورا اقتدار حاصل ہے)۔

اور فرمایا :

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ (۷ : ۵۴)

بیشک پیدا کرنا اور حکم صادر فرمانا اُسی اللہ کے تصرف میں ہے، بہت برکت والا ہے، وہ خدا جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔

قرآن کا طرزِ بیان

توحیدِ اُلوہیت کی یہ دلیل پہلی دلیل کی نسبت زیادہ واضح اور مؤثر ہے، اور اسی لئے قرآن کریم میں اکثر یہی دلیل استعمال کی گئی ہے۔ لیکن جس شخص نے قرآن پاک کے طرزِ بیان پر غور کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ اگرچہ بظاہر مؤخر الذکر قسم کی دلیل پیش کی جارہی ہے، لیکن اس کے ضمن میں برابر اوّل الذکر دلیل کی طرف بلایا جارہا ہے۔ کیونکہ اس کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ فقط اُسی پر بھروسہ کیا جائے، اُسی سے استعانت کی جائے، اور اپنی تمام درخواستیں صرف اُسی کے پیش کی جائیں۔ کیونکہ اُس نے اپنے بندوں پر قسم قسم کے احسانات کئے ہیں اور اپنی نعمتوں سے اُن کو مالا مال فرمایا ہے۔ جس کا مقتضا یہ ہے کہ اُسی کو اپنا معبود اور محبوب ٹھیرایا جائے، اور جب اُس نے اس کو اپنا معبود اور محبوب ٹھیرالیا تو اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اُسی کی ذات پر توکّل اور بھروسہ کرے۔ اور اس طرح وہ (بلا واسطہ نہ سہی) بالواسطہ پہلی وجہ میں داخل ہوجائیگا۔

فطری تقاضاء

اسی طرح ہر جب شخص پر کوئی بڑی تکلیف یا مصیبت نازل ہوتی ہے یا کسی

بات کا خوف اُس کو پریشان کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع اور زاری کرنا شروع کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کو اپنی مناجات میں حلاوت معلوم ہونے لگتی ہے، اور اُس پر ایمان رکھنے اور اُس کی طرف انابت اور رجوع کرنے میں اُس کو وہ لذّت محسوس ہوتی ہے جس کو وہ اپنی حاجت پورا ہونے سے بھی زیادہ محبوب سمجھتا ہے۔ لیکن ابتداءً اس کے لئے اس حالت کا تصور کرنا دشوار بلکہ ناممکن تھا۔ اور اِس لئے وہ اُس کے طلب کرنے سے قاصر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے وہ اسباب مُہیّا کئے جن سے بالآخر مطلوبہ نتیجہ ظہور میں آیا۔

توکّل علی اللہ کے اسباب

قرآن کریم میں نہایت کثرت کے ساتھ اسبات کا ذکر ہے کہ انسان اپنی تمام ضروریّات کے لئے اُسی کی ذاتِ پاک کا محتاج ہے۔ اور یہ کہ سر سے پاؤں تک اُسی کی نعمتوں اور احسانات میں اُس کا تلر تار بندھا ہوُا ہے۔ نیز جا بجا اس میں آخرت کی نعمتوں اور خوشیوں کا بیان ہے۔ اور یہ تمام باتیں اُسی کی طرف رجوع کرنے سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اِس لئے اُسی کی ذات پر توکّل کرنا اور اُسی کو اپنا محبوب ٹھیرانا اور اُس کے احسانات کے شکریّہ میں مشغول ہونا لازم ہے۔

تیسری دلیل

نیز اس کی تائید اور تقویت کے لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان کا غیراللہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا اُس کے لئے سراسر ضرر ہے، جبکہ وہ اِس مقدار سے زائد ہے، جس قدر کہ اُس کے حق میں اُس کی عبودیّت کے لئے ضروری اور کارآمد ہو۔ یا جس قدر کہ اُس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبّت بڑھانے اور فراغتِ قلب کے لئے مطلوب ہو۔ اگر ماکولات اور مشروبات میں سے (جن سے اُس کی زندگی کا قیام ہے) مقدارِ ضرورت سے زیادہ استعمال کرے تو کچھ شک نہیں کہ یہ زیادتی اُس

کے حق میں مضر یا مہلک ہوگی۔ اسی طرح ملبوسات کی استعمال اور شادی کرنے کی حالت ہے۔

محبتِ غیر اللہ کا نتیجہ

اگر آدمی کسی چیز کے ساتھ یہاں تک محبّت رکھے کہ وہ محبت اُس کی صمیم دل میں گھس جائے تو یقیناً اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو وہ خود اُس سے بیزار ہو جائیگا یا بصورتِ دیگر وہ اُس سے جُدا ہو جائیگا۔ علاوہ ازیں اس کو ہر حالت میں تکلیف کا سامنا ہے۔ ؎

دو گونہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را   عذابِ فُرقتِ لیلیٰ و صحبتِ لیلیٰ

اگر بالفرض اُسکے وصال سے بہرہ یاب ہو تب بھی اُسکا رنج اُسکی خوشی اور لذت سے بڑھ کر ہے۔ ہر ایک شخص جس نے واقعات پر غور کیا ہے اور ہر ایک حالت کا صحیح اندازہ لگایا ہے، وہ اِس بات کی تصدیق کریگا کہ جو کوئی بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسری چیز سے محبت کریگا، اُس کا ضرر اُس کے فائدہ سے زائد ہوگا اور اُسکی خوشی اُس کے رنج اور تکلیف کی مقابلہ میں کالعدم ہوگی۔

غیر اللہ پر اعتماد، خُسران ہے

نیز یہ بھی یاد رکھو کہ کسی مخلوق پر اعتماد اور توکّل کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس چیز پر تم کو بھروسہ ہے، اُسی چیز سے تم کو بلا اور مصیبت پیش آئیگی۔ اور استقراء اُس کا شاہد ہے۔ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور سے مدد کا جویاں ہوتا ہے، وہیں سے اُس کو خذلان نصیب ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ - (۳۶: ۷۴،۷۵)	انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو خدا ٹھیرا لیا ہے تاکہ وہ خدا انکی مدد کریں مگر وہ انکی مدد نہیں کرسکتے۔ بلکہ یہی انکے حاضر باش مُریداُن کا مددگار لشکر ہے۔

حضرت امام الحنفاء ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام مشرکین کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :

إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔

(۲۹ : ۲۵)

بیشک تم لوگوں نے اللہ کے سوا بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جو دنیاکی زندگانی میں تمہارے درمیان دوستی اور محبت کا موجب ہو لیکن عنقریب قیامت کے دن تم ایکدوسرے کا انکار کروگے اور ایکدوسرے پر لعنت بھیجو گے۔

چونکہ انسان کی تمام تر صلاحیت اور بہبود اسی میں ہے کہ وہ واحد حق کی عبادت کرے اور اُسی سے استعانت کیا کرے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ غیر کی عبادت اور استعانت میں اُس کے لئے انتہا درجہ کا ضرر اور نقصان ہو۔

فصل

رحمتِ الٰہی کا نزول

احسانِ حقیقی

اسکی توضیح اور تبیین اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ باوجود بے نیازِ مطلق ہونے کے نہایت مہربان ہے اور ہر ایک طرح سے حمد و ثنا کا مستحق ہے، وہ باوجود بے نیاز ہونے کے اپنے بندوں پر احسانات فائض فرماتا اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے اُنکو سرفراز کرتا ہے، اُن سے ہر ایک قسم کی تکلیف اور مصیبت کو دور فرماتا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ اِس سے اُسکو کسی قسم کا فائدہ پہنچتا ہے، بلکہ یہ اُسکی خالص رحمت اور محض جود و احسان ہے۔ کیونکہ رحمت، جود، احسان اور لطف و کرم اُس

اوصافِ ذاتیہ ہیں جیساکہ حیات، قدرت اور غنار اُس کی صفاتِ ذاتیہ ہیں۔ اور یہ تمام صفاتِ عُلیا اس کے لوازمِ ذات سے ہیں۔

احسانِ مجازی

برخلاف اسکے انسان کیلئے یہ ناممکن ہے کہ وہ ایسی حالت میں کسی کے ساتھ احسان کرے، جبکہ کوئی اپنی غرض اسکے مدنظر نہ ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی قابلِ قدر ہستی کے محض اسکے صاحبِ کمال ہونے کی وجہ سے تعظیم کرے اور اسکے ساتھ محبّت رکھے، اور اُسکی خدمت بجالانے میں ہر طرح سے سعی کرے۔ لیکن اولاً تم جانتے ہو کہ یہ احسان حقیقی نہیں۔ بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اُسکو اس صاحبِ کمال کیلئے مسخر کر رکھا ہے اور یہ اُسی کا تفضّل اور احسان ہے کہ اسکو اُس کے اغراض پورا کرنے کیلئے آلۂ کار بنا دیا ہے۔

احسان کی بنار

بایں ہمہ انسان کا بظاہر احسان پھر بھی خود غرضی سے خالی نہیں۔ کیونکہ کسی کی محبّت سے محظوظ ہونا بھی ایک غرض ہے، خواہ اس محبّت کی بنا رجمالِ ظاہر پر ہو یا جمالِ باطن اُس کا موجب ہو۔ کیونکہ جب یہ لوگ انبیار اور صالحین سے محبت کرتے ہیں اور ان کے دیدار کے طالب ہوتے ہیں، گویا بالفاظ دیگر وہ ان کے دیدار اور ہمکلامی سے محظوظ ہونا چاہتے ہیں۔

اسی طرح جو کوئی کسی دوسرے انسان کے ساتھ اُسکی بہادری یا سخاوت یا ریاست وغیرہ کی وجہ سے محبّت کرتا ہے تو اس کی غرض اُسکی محبّت کا حظّ اُٹھانا ہوتا ہے۔ اور اگر وہ بالفرض اس محبّت میں لذّت محسوس نہ کرتا تو وہ کبھی اس محبّت پر قائم نہ رہتا۔

دفعِ ضرر کا مقصد

اسی طرح جب وہ اپنے محبوب اور مخدوم کی کوئی خدمت بجالاتے ہیں، جس سے

اسکو کسی قسم کا فائدہ پہنچانا یا اُس سے کوئی ضرر دفع کرنا مقصود ہوتا ہے تو اگر وہ عمل خالصاً للہ نہیں تو یقیناً وہ کسی خود غرضی پر مبنی ہوگا۔ مثلاً کسی بادشاہ کے لشکری یا کسی آقا کے غلام یا کسی اجارہ دار کے نوکر سب کے سب اپنی اغراض کیلئے جدّ و جہد کرتے ہیں، اور فقط اپنے مخدوم کو فائدہ پہنچانا یا اس سے ضرر دفع کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تہذیبِ اخلاق کی وجہ سے اُس نے اپنی نیت خالص کرلی ہو، اور دینی حیثیت اُس پر غالب آگئی ہو، یا یہ کہ وہ طبعاً رحمدل اور انصاف پسند واقع ہوا ہو۔ ورنہ بہرحال اوّلاً و بالذّات اپنا فائدہ مقصود ہوتا ہے۔

خود غرضی میں حکمت

اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور نوعِ انسانی کے نظام کیلئے ایسا ہونا ضروری تھا، کیونکہ اگر وہ خود غرضی کا دخل بیچ میں نہ ہوتا تو کوئی بھی ایکدوسرے کے کام نہ آتا۔ چنانچہ آیتِ ذیل میں تفاوتِ درجات کی بعینہٖ یہی حکمت بیان کی گئی ہے۔ فرمایا:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔ (۴۳ : ۳۲)	بیشک ہم ہی نے دُنیا کی زندگانی میں اُن کیلئے قسمتیں تقریر کیں اور درجوں میں ان کو ایک دوسرے پر بلندی اور فوقیت بخشی تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لیں۔

فصل ۹
مخلوق سے استعانت

انسان کا مطمحِ نظر: اس سے تمہیں معلوم ہوگیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو بغیر کسی

غرض سے تم کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہو۔ بلکہ اس کا مقصد اوّلین اپنا فائدہ ہوگا، اور اس سے تم کو بالفرض کوئی فائدہ پہنچ جائے تو یہ ممکن ہے۔ بلکہ اگر تمہارا محبت ع۔ل پسند نہیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے فائدہ کیلئے تم کو ضرر پہنچا دے۔

الغرض کسی مخلوق کو اپنی مدد کیلئے بلانا اور اس سے استعانت کرنا بعینہٖ اس آیت کا مصداق ہے کہ" یَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهُ اَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ (۲۲: ۱۳) (بیشک وہ ایک ایسے معبود کو بلاتا ہے جسکا ضرر اُسکے فائدہ سے قریب تر ہے)

برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ بغیر کسی اپنی غرض اور اپنے فائدہ کے تمہارے ساتھ احسان کرتا ہے جس میں تمہارے لئے خالص فائدہ ہے اور ضرر کچھ بھی نہیں۔

انسان سے اُمید لگانا

اب اگر تم اس حقیقت پر کما حقہٗ غور کر لو تو تم کبھی کسی مخلوق سے کوئی فائدہ طلب نہیں کروگے اور نہ ہی اُس سے کسی قسم کی اُمید رکھوگے۔ کیونکہ جو تم جیسی مخلوق محتاج ہے، وہ ہمیشہ اپنے فائدہ کو مدِنظر رکھیگا اور بغیر اپنے فائدہ کے کبھی تم کو فائدہ نہیں پہنچائیگا۔

جلیل القدر حقیقت

اس کو اچھی طرح سمجھ لو، کیونکہ یہ ایک جلیل القدر حقیقت ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم لوگوں سے نفع اور ضرر کی توقع رکھنے کی قید سے آزاد ہو جاؤگے۔ اور یہ مخلوق کی عبودیت کا دروازہ بند کرنے کا ذریعہ ہے، اور اس سے تمہارے سامنے خالص اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا دروازہ کھل جائیگا۔

تاکیدِ احتیاط

اس مقام پر پہنچ کر احتیاط رکھو کہ کہیں تم سے یہ غلطی نہ ہو جائے کہ لوگوں کے ساتھ احسان کرنا چھوڑ دو، یا اُن کے ساتھ درشتی اور گنوار پن سے پیش آؤ،

اور بُردباری کی صفت کھو بیٹھیو، بلکہ اپنے احسان کا سلسلہ جاری رکھو، اور کسی سے یہ اُمید نہ رکھو کہ وہ تمھیں کوئی فائدہ پہنچائیگا یا تمہارے احسان کا بدلہ دیگا۔ بلکہ تمہارا عمل محض اللہ تعالٰی کی خوشنودی کیلئے ہو۔ (چنانچہ کلام پاک میں ابرار کی مدح کے طور پر اُن کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا۔ ۷۶:۹)

فصل

انسانی احسان کی بنا ر

ذاتی اغراض

مضمونِ بالا کی مزید توضیح یہ ہے کہ اکثر لوگ اپنے اغراض اور مقاصد پورا کرنا چاہتے ہیں اور تمہاری حیثیت ان کے نزدیک ایک وسیلہ سے زائد نہیں۔ اب اگر ان کو مصلحت اسی میں نظر آئے اور وہ اپنا بہبود اسی میں خیال کریں کہ تم کو ضرر پہنچائیں تو وہ اِس سے بھی نہیں چوکیں گے۔ کیونکہ "ان کو تو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے، مردہ جہنم میں جائے یا جنت میں"۔ یہاں تک کہ اگر تمہاری دُنیا اور آخرت کی ہلاکت اُس میں مضمر ہو تو بھی وہ اُسکی ذرا پروا نہیں کرینگے۔

انسانوں سے علیحدگی

اب تم خود سمجھ لو کہ یہ دوستی ہے یا دشمنی! اُنھوں نے تمہیں "کرائے کا ٹٹو" بنا رکھا ہے اور وہ اپنے فائدہ کیلئے تمہارا نقصان کرنا جائز بلکہ لازم خیال کرتے ہیں۔ اور اگر اُن کو ضرورت محسوس ہو تو تمہاری قربانی کرنے تک سے دریغ نہ کریں بلکہ اب بھی وہ تم کو ہر وقت بغیر چھری کے اپنے اغراض کے لئے ذبح کرتے رہتے ہیں۔ اُنھوں نے تم کو اپنے گزرنے کی خاطر ایک پُل بنا رکھا ہے۔ لیکن تم ہو کہ نہیں سمجھتے

اوران کے لئے اپنی آخرت کو برباد کر رہے ہو۔ بہت ممکن ہے کہ اُس کا انجام یہ ہو کہ تم کو خالی دست ہو کر اس دُنیا سے رخصت ہونا پڑے۔

گزشتہ زندگی میں بصیرت

اگر تم اپنی گزشتہ زندگی پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ کتنے موقعوں پر اُنہوں نے تم کو اپنے دین اور دُنیا کے مصالح سے باز رکھا اور تمہاری آخرت کی مدارجِ ترقی طے کرنے کے راستہ میں حائل اور سنگِ راہ ثابت ہوئے۔ اُن کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہارے مخلص دوست واحباب، جاں نثار خُدّام اور پیاری عزیز واقارب ہیں۔ لیکن خدا کی قسم! اُن کا یہ دعویٰ سراسر نمائشی ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ سب تمہارے دشمن ہیں جو تمہارے سامنے ان پیاری پیاری اور موہنی صورتوں میں جلوہ آرا ہوئے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ۔ (۶۴ : ۱۴)	مومنو! بیشک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سو بعض تمہارے دشمن ہیں، اس لئے تم ان سے بچو!

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔ (۶۳ : ۹)	مومنو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تم کو خدا تعالےٰ کی یاد سے غافل نہ کر دے، اور جس کسی نے ایسا کیا تو وہ یقیناً گھاٹے میں رہیں گے۔

نیکبخت انسان

نیکبخت اور سعادتمند وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے اُن سے معاملہ رکھے اور یہ نہ ہو کہ اُن کے معاملہ میں اپنے ربّ تعالیٰ کو گنوا دے۔ اُن کو ناراض کر کے اللہ

تعالیٰ کو راضی رکھے، لیکن اسکے برعکس نہ کرے کہ اُن کو راضی رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سر پر اُٹھالے۔ اللہ تعالیٰ سے اُسکو ڈرنا چاہیئے اور اُن سے ڈرنا چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ کو اُن پر ترجیح دے اور اُن کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح نہ دے۔ اُن کی محبت اور اُن کے خوف و رجا کو دل سے باہر نکال کر پھینک دے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کے خوف اور رجا سے اپنی سینہ کو پُر کر دے۔ یہی وہ شخص ہے جس کو اُن کے ساتھ تعلق رکھنا ضرر نہیں دیگا، بشرطیکہ وہ اُن کی ایذاؤں پر صبر کرے، اُن سے غنیمت تو حاصل کرے، لیکن ان کے تاوان سے اپنے آپکو بچائے۔

نفع اور ضرر کا مالک

اسکی مزید توضیح یہ ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی تمہیں کسی قسم کا ضرر نہیں دے سکتا۔ تمہارا ضرر اور تکلیف صرف اسی حالت میں دفع ہو سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اُس کی مشیئت اُس کے دفع کرنے کی ہو۔ اس لئے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ نیکیوں اور احسانات کا لانے والا صرف وہی اللہ ہے اور بُرائیوں اور شرور کا دفع کرنے والا بھی وہی ہے اور بس! ارشاد ہوتا ہے: وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (۱۰ : ۱۱۷)

مخلوق کی بے بسی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا تھا: "تم جان لو کہ اگر تمام کائنات سب کی سب اکٹھے ہو کر تم کو کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو وہ تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے، جبتک اللہ تعالیٰ نے وہ فائدہ تمہارے لئے مقدر نہ کیا ہو۔ اور اگر وہ سب کے سب مل کر تمہیں کوئی ضرر اور تکلیف پہنچانا چاہیں تو وہ تم کو کچھ بھی ضرر اور تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو تمہارے لئے مقدر فرمایا ہو۔" جب مخلوق اس قدر بے بس ہے تو تم کو ان کے ساتھ اپنی

بیم و اُمید کو وابستہ کرنا سراسر ضرر ہے اور اس میں کچھ فائدہ نہیں۔

فصل ۱۱

نزولِ رحمت کے موانع

علمِ الٰہی

اِن تمام حقائق کا مدار ایک حقیقت کے جاننے پر ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب خود تم کو اپنے مصالح اور بہبودی کا علم نہیں (اور تم نہیں جانتے کہ کس بات میں تمہارا فائدہ یا نقصان ہے)۔ اگر بالفرض تمہیں علم ہو بھی تو تم اُن کے حصول پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے، اِس لئے دوسروں کو بطریق اولیٰ تمہاری مصلحتوں کا علم نہیں ہوگا۔ نہ وہ اِس بات پر قادر ہیں کہ تمہیں تمہاری مصلحتوں کے حصول میں مدد دیسکیں لیکن اگر تم نہیں جانتے تو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، تم کو قدرت نہیں لیکن وہ قادرِ مطلق ہے، بغیر کسی معاوضہ کے اپنے احسانات نازل فرماتا ہے۔ اور باوجود بار بار خرچ کرنے کے اُس کے خزانوں میں کمی نہیں آتی۔ وہ بے نیازِ مطلق ہے اور کسی حالت میں بھی کسی چیز کا محتاج نہیں، کہ فقر اور احتیاج کے خوف سے اپنے تفضّل اور احسان کو روک دے۔ جتنا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بخششوں سے سرفراز ہونا اور اُن کو لینا پسند کرتے ہو اُس سے بڑھ کر وہ تم کو بخشش دینا اور تمہارے اوپر بارانِ فضل و کرم برسانے کو پسند کرتا ہے۔

کُفرانِ نعمت

اگر وہ تم سے اپنا فضل روک لے تو سمجھ لو کہ اِس کی صرف دو وجہیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ خود تم میں کوئی ایسا مانع موجود ہے جو اُسکے فضل کو تمہاری تک نہیں آنے

دنیا۔ اور اکثر لوگوں کی محرومی کا سبب یہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں نظام کائنات کے لئے دوسرے قوانین مقرر کر رکھے ہیں۔ ایک قانون یہ بھی مقرر فرمایا ہے کہ اُس کی بخششوں اور اُس کی مہربانیوں کو اُس کی اطاعت اور عبودیت ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور ازدیادِ نعمت کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ اُس کے شکر میں کوتاہی نہ کی جائے۔ اُس کی ناشکری اور نافرمانی اُس کے نزولِ رحمت کا سب سے بڑا مانع ہے۔

سلبِ نعمت

اسی طرح جان لو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو کسی نعمت سے سرفراز فرما کر پھر اُسکو تم سے سلب کر لیا ہے تو اس کی وجہ اُس کا بخل ہرگز نہیں ہے، اور یہ کہ اُس نے وہ نعمت بلاوجہ تم سے چھین کر کسی دوسرے کو دیدی ہے (کیونکہ اُسکے خزانوں میں کچھ بھی کمی نہیں) بلکہ اُس کے سلب کئے جانے کا موجب خود تمہارا کوئی ناشائستہ عمل ہوگا۔ فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔ (۱۳ : ۱۱)	بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جبتک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدل لیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۸ : ۵۳)	اسکی وجہ یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کسی نعمت کو جو اُس نے کسی قوم پر فائض فرمائی ہے ہرگز نہیں بدلتا جبتک وہ خود اپنی حالت متغیر نہ کریں، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

شامتِ اعمال

کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

اذا کنت فی نعمۃ فارعھا   فان المعاصی تزیل النعم

(ترجمہ: جب تم کسی نعمت سی بہرہ ور ہور ہے ہو تو تم کو چاہیئے کہ اُس کے محفوظ رہنے کا خیال رکھو، کیونکہ بیشک گناہوں کا ارتکاب نعمتوں کو زائل کر دیتا ہے)۔ تم پر جو بھی آفت آئیگی وہ یقیناً تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگا، اور اگر کاوش کی جائے تو تمہارا اپنا نفس تمہارا دشمن ثابت ہوگا۔ (سہ

شامتِ اعمالِ ماصورتِ نادر گرفت)

بے جا نکتہ چینی

تعجب یہ ہے کہ تم اپنے نفس کی تو خبر نہیں لیتے مگر اپنے مُحسن اور مُنعم کی شکایت میں سرگرم رہتے ہو، اور اُسکی تقدیر پر الزام لگانے کی تمہیں سُوجھتی ہے۔ تم میں تو اتنی قابلیت ہی نہیں کہ (اپنے نفس کے مکائد کا حال معلوم کر سکو اور) اپنی سعادت اور شقاوت کی صحیح اسباب دریافت کرو۔ البتہ یہ کرتے ہو کہ زبانِ قال اور حال سے علیم اور حکیم خدا کے احکامِ قضاء و قدر پر نکتہ چینی کرنا شروع کر دیتے ہو۔ اگر تمہاری رائے صائب ہوتی تو تم بجائے اس نکتہ چینی کرنے اور اعتراضات نکالنے کے اصلی اسباب دریافت کر کے صحیح علاج میں مشغول ہوتے۔ لیکن تم نے تو اپنی فطرت کو مسخ کر دیا ہے اور اپنے قلب کو (جو ادراکِ حقائق کا آلہ اور حق و باطل میں تمیز کرنے کا ذریعہ تھا) کج فہمی کا عادی بنا دیا ہے۔ اور تمہاری نفسانی خواہشوں نے تمہارے علم اور ایمان کے چراغوں کو بجھا دیا ہے جو تمہارے باطن میں روشن تھے۔ اُس چیز کا تو تم نام نہیں لیتے جو اِن تمام خرابیوں کی جڑ ہے (یعنی نفسِ امّارہ) اور اُس مُنعمِ مُطلق کی شکایت میں زبان کھولے ہوئے ہو، جس نے تم پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کی بارش کی اور کر رہا ہے۔

ایک زرّیں قول

ایک عارف نے کسی شخص کو ایک دوسرے آدمی کے سامنے ربّ تعالیٰ کی شکایت

کرتے ہوئے سُنا تو اُس نے ایک ایسا فقرہ کہا جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "ارے! خدائے مہربان کی شکایت اُس کے سامنے کرتے ہو جو کبھی تم پر مہربان نہیں ہوسکتا" ہے

واذا شکوت الی ابن ادم انما تشکوا الرحیم الی الذی لا یرحم

پانی کہاں مرتا ہے؟

اگر انسان حقیقتِ حال سے واقف ہو، اور اُس کو معلوم ہو جائے کہ کہاں سے اس کے متاعِ عزیز پر دست درازی کی جاتی ہے تو وہ اپنی مصیبت کا الزام دوسرے کے سر نہ تھوپے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ۔ (۴۲ : ۳۰)	تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے شامتِ عمل کا نتیجہ ہے اور بہت سے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف بھی کر دیتا ہے۔

کتنا سچا کلام ہے۔ دُوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (۳ : ۱۶۴)	کیا جب تم کو ایک ایسی مصیبت پہنچی، جس سے دو چند مصیبت تم اپنے دشمن کو پہنچا چکے تھے تو تم کہنے لگے: ہیں! یہ کہاں سے؟ کہدو یہ تمہارے اپنے نفسوں کی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔

پوری آیت کے معانی پر غور کرتے ہوئے اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اس کے مخاطب کون لوگ ہیں؟ (تاکہ تمہیں اپنی خفیفت واضح ہوجائے)

اختتام حصہ اوّل

(کتبہ حکیم محمد حسین)

مطبوعات الھلال بک ایجنسی لاہور

(۹) الدین یسر مصنف نام سے ظاہر ہے۔ علامہ شیخ محمد ابو زید مصری کے قلم سے۔ قیمت ۸ر

(۱۰) تفسیر المعوذتین مصنفہ حافظ ابن قیم شاگرد امام ابن تیمیہ۔ مترجمہ مولانا عبدالرحیم پشاوری۔ یہ کتاب قرآن حکیم کی آخری دو سورتوں (سورہ فلق اور سورہ ناس) کی نہایت جامع اور مبسوط تفسیر ہے اور اس میں ان سورتوں کے تمام حقائق و معارف کو اسقدر تفصیل اور وسعت نظر سے بیان کیا ہو کہ اسقدر جامع و حاوی تفسیر اب تک کوئی شائع نہیں ہوئی۔ کتاب تین ابواب، ۳۲ فصلوں اور ۲۲ اعناوین میں منقسم ہے۔ پہلے باب میں ہر دو سورتوں کی مجمل تفسیر، خواص اور دنیا بھر کی دو نو قسم کی شرور سے پناہ مانگی گئی ہو پہلی قسم کی شرور جن کا سورہ فلق میں ذکر ہے انسان کو خارج سے پیش آتی ہیں از قسم مصائب و تکالیف اور آفات و بلیات ارضی و سماوی۔ دوسری قسم کی شرور وہ ہیں جن کا سورہ ناس میں بیان ہو وہ خود انسان کے اندر موجود ہیں۔ شیطان اُن کا محرک ہو یعنی ذنوب و معاصی جن سے بچنا انسان کی اپنی قوت مدافعت پر موقوف ہو۔ دوسرے باب میں سورہ فلق کی مکمل تفسیر بیان کرکے بتلایا ہو کہ جو شرور خارج سے انسان کو پیش آتے ہیں اُنکی چار قسمیں ہیں: (۱) جملہ مخلوقات الٰہی کا شر (۲) شب تاریک کا شر (۳) جادوگر کا شر (۴) حاسد کا شر۔ آخر میں ان شرور سے بچنے کے طریقے بتلائے ہیں۔ تیسرے باب میں سورہ ناس کی جامع تفسیر بیان کرکے واضح کیا ہے کہ شیطان دشمن انسان کس طرح انسان کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہو کس طرح برائی کرنے پر ابھارتا رہتا ہے۔ مگر انسان اسے اپنا رہنما تصور کرکے اسکے دام تزویر میں پھنس جاتا ہے۔ کیونکہ وسوسۂ شیطانی سے بچنا کوئی آسان کام نہیں۔ آخر میں شیطان لعین کے دام فریب سے بچنے کے متعدد طریقے بتلائے ہیں۔ حجم ۱۳۲ صفحات۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ دیدہ زیب۔ قیمت ایک روپیہ

(۱۱) سیرۃ امام ابن تیمیہ مصنفہ چوہدری غلام رسول مہر بی اے رئیس التحریر روزنامہ انقلاب لاہور ۹ر

(۱۲) الفرقان بین اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان از مولانا ابوالکلام آزاد۔ قیمت ۶ر

(۱۳) ایلاء و تخییر از مولانا ابوالکلام آزاد۔ رسول اللہ صلعم کے واقعہ "ایلاء" آیت تخییر کا شان نزول اور سورۂ تحریم کی تفسیر۔ مغربی تعلیم کے دلدادہ نوجوانوں کیلئے ایک مستقل درس بصیرت و موعظت ہو۔ قیمت ۸ر

(۱۴) حقیقۃ الصلوٰۃ از مولانا ابوالکلام آزاد۔ نماز جیسے اہم فرض کی حقیقت پر موثر بحث۔ قیمت ۴ر

(۱۵) الحرب فی القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد۔ یہ کتاب مبحث حرب پر قرآنی نقطہ خیال سے نہایت بے نظیر مرقع ہے۔ اسی ضمن میں جہاد پر ایک حقیقت نما بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۱۰ر

(۱۶) نجد و حجاز آویزش نجد و حجاز، شریف حسین کی غداری، سلطان ابن سعود کے حملہ حجاز کے مکمل حالات عہ

(۱۷) صبح سعادت نمبر ۸ر نمبر ۸ر نمبر ۸ر نمبر ۸ر نمبر ۸ر نمبر ۸ر

(۱۸) ولی اللہ از امام ابن تیمیہ۔ اللہ تعالیٰ کا دوست کون ہے؟ قیمت ۵ر

(۱۹) فتوای شرک شکن از امام ابن تیمیہ۔ بت پرستی کی ابتدا قبروں کی بیجا تعظیم سے ہوئی ہے اس لئے ان کی حقیقی تعظیم و زیارت کے آداب مسنونہ سے واقفیت کیلئے اسے مطالعہ کریں۔ قیمت ۶ر

(۲۰) بریف سکیچ آف لائف آف پرافٹ از ابوالمسیح محمد پال بزبان انگریزی قیمت ۴ر

منیجر الھلال بک ایجنسی شیرانوالہ دروازہ لاہور سے طلب کریں

2129ft
DISSECTED TERRAIN
31
34
2093ft
Dissected terrain
2628ft
2326ft
29
33km
2622ft
36
3192ft
2185ft
8km
Lava
Lava
Lava
850m

OSTÁN E BALÚCHESTÁN VA SÍSTÁN
OSTÁN E KERMÁN
27
Alïabad
Rig Tambuk
1765ft
29
2192ft
59°30′
28°
2215ft
12km
8km
2330ft
17km
KERMAN
BALUCHESTAN VA SISTAN